سلسلہ نمبر 10/9 | اکتوبر 2013 تا مارچ 2014 | اجراء مئی 2014

حسن خاتمہ
اور اس کے اسباب

حفاظت حدیث
ایک معجزہ الٰہیہ

راویٔ اسلام سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ

عقیدہ توحید
کے مخالف اعمال

فحش مواد
انسانی صحت و معاشرے پر زہر ہلاہل

مجلس البحث العلمي
AL-MADINA ISLAMIC RESEARCH CENTER
www.islamfort.com

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ

فہرست مضامین

زرِ تعاون شمارہ: 85 روپے — سالانہ بکنگ پر خصوصی رعایت

بیرون ملک: زر سالانہ 12 ڈالر، فی شمارہ 3 ڈالر (علاوہ ڈاک خرچ)

Bank Al-Habib A/C No:1103-0081-002746-01-2 تفصیلات کے لئے 03333574685

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر
AL-Madina Islamic Research Center
مسجد سعد بن ابی وقاص ڈیفنس فیز 4، 11 کمرشل اسٹریٹ
نزد نثار شہید پارک وگذری پولیس اسٹیشن کراچی

Ph:+92-21-35896959
Mob 03322135693
WEBSITE:
WWW.ISLAMFORT.COM
E-MAIL:
albayanmirc@gmail.com

اداریہ

حفاظت حدیث
ایک معجزہ الٰہیہ

خالد حسین گورایہ [1]

لفظِ ''حدیث'' اور ''سنت'' اصطلاحی اعتبار سے ایک دوسرے کے مترادف الفاظ ہیں۔ اور یہ دنوں لفظ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے نکلے ہیں۔ جس کا مفہوم وہی ہے جو علمائے حدیث نے بیان فرمایا کہ:

[ما أضيف إلى النبي صلى الله عليه وسلم من قول، أو فعل أو تقرير، أو وصف خلقي أو خُلُقي]

''ہر اس قول، فعل، تقریر اور صفت کو حدیث کہا جاتا ہے جس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی جاتی ہو۔''

لفظ حدیث کا استعمال زبانِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے:

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

[لعل أحدكم يأتيه حديث من حديثي وهو متكئ على أريكته فيقول: دعونا من هذا ، ما وجدنا في كتاب الله اتبعناه] [2]

''عنقریب وہ وقت آئے گا کہ جب کسی شخص کے پاس میری حدیث میں سے کوئی حدیث بیان

---

[1] مدیر شعبہ تحقیق وتصنیف المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر

[2] الكفاية للخطيب البغدادي ص : 42 . جامع بيان العلم وفضله ابن عبد البر ج 2 ص189

ہوگی وہ اپنے تکیے کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا ہوگا اور کہے گا کہ: اسے چھوڑ دو، ہم جو کتاب اللہ میں پائیں گے اسی کی پیروی کریں گے''۔

لفظ سنت کا استعمال زبانِ نبی ﷺ سے: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[فعليكم بسنتي ، وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ ، وإياكم ومحدثات الأمور ، فإن كل بدعة ضلالة].[1]

''پس تم پر لازم ہے کہ تم میری سنت اور خلفائے راشدین میں جو ہدایت یافتہ ہیں کی سنت کو پکڑے رہو اور اسے نواجذ (ڈاڑھوں) سے محفوظ پکڑ کر رکھو اور دین میں نئے امور نکالنے سے بچتے رہو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے''۔

مذکورہ بالا دونوں روایات میں جو لفظ ''حدیث'' اور ''سنت'' استعمال کیا گیا ہے ایک ہی معنی میں کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کی اتباع امت کیلئے ضروری ہے۔ چاہے آپ اس کو حدیث کہہ لیں یا سنت کہہ لیں۔ کیونکہ حدیث کا لغوی معنیٰ ''بات'' ہے۔ اور روایت چونکہ نبی ﷺ کی بات ہوتی ہے وہ اس معنیٰ میں حدیث ہے۔ اور اس روایت میں مذکور آپ ﷺ کا طریقہ ہوتا ہے اور لغت میں سنت کا معنی طریقہ ہے لہذا اس اعتبار سے اس میں وارد آپ کا قول وعمل آپ کا طریقہ ہے جسے سنت کہا جاتا ہے۔

اصطلاحی تعریف میں علمائے حدیث وعلمائے اصول نے جملہ مختصرات ومطولات میں ان دونوں اصطلاحوں کا مشترکہ مفہوم بیان کیا ہے۔

جن میں علامہ ابن حزم [2] علامہ بیضاوی [3] علامہ شاطبی [4]، علامہ زین الدین حلبی [5] علامہ جرجانی [6] علامہ سخاوی [7] حافظ ابن حجر عسقلانی [8] علامہ عبدالعزیز البخاری [9] نواب صدیق حسن خاں [10] رحمہم اللہ اجمعین وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

---

[1] سنن ابی داؤد :كتاب السنة ، باب في لزوم السنة. سنن ترمذي :كتاب العلم ، باب ماجاء في الأخذ بالسنة۔۔

[2] الإحكام في أصول الأحكام 6/2 [3] منهاج للبيضاوي ص : 61 [4] الموافقات 3/4 [5] رسالة أصول ص : 16 [6] تعريفات ص:82 [7] فتح المغيث للسخاوي ، 1 / 13 [8] فتح الباري 13/ 246 [9] التحقيق شرح منتخب الحسامي، ص:147 [10] حصول المأمول في علم الأصول ، ص 22

اصحابِ لغت میں سے صاحب ''لسان العرب'' کے نزدیک جب ''سنت'' کا لفظ بغیر کسی قید وشرط کے بولا جائے تو شریعت میں اس کا مقصود وہ فعل ہوتا ہے جس کا قرآن میں ذکر نہ ہو لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کو کرنے کا حکم دیا ہو یا اس سے منع فرمایا ہو، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ''کتاب وسنت'' شرعی دلائل میں سے ہیں۔ یہاں ''کتاب وسنت'' سے قرآن وحدیث مراد لئے جاتے ہیں۔ پس ''سنت'' اور ''حدیث'' باہم مترادف الفاظ ہوئے۔ ائمہ حدیث کی مرتب کردہ تمام کتب سنن میں بھی ''سنت'' کو اسی متعارف و مصطلح قولی فعلی اور تقریری معانی میں ذکر کیا گیا ہے، پس ہر دو اصطلاحات کا ہم معنی ہونا محقق ہوا۔ [1]

پس جیسا کہ قرآن کریم کے متعدد نام'' جن میں فرقان ، برھان ، القرآن'' وغیرہ ہیں اسی طرح سنت کے بھی متعدد نام ہیں جن میں حدیث بھی ہے۔ جیسا کہ فرقہ ناجیہ کو اہل السنۃ بھی کہا جاتا ہے، اور اہل الحدیث بھی۔ کتب حدیث کے اہل علم نے نام کتب الحدیث بھی رکھے ہیں اور کتب السنن بھی۔

فی زمانہ چند فقہی مکاتب فکر اور چند نام نہاد محققین نے اصطلاحی موشگافیوں کا سہارا لیتے ہوئے حدیث اور سنت میں تفریق کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس پر مفصل تحریر قارئین ان شاء اللہ البیان کی آئندہ اشاعت میں ملاحظہ کریں گے، اس مقام پر وضاحت کریں گے کہ اس تفریق کی اتنی شدّ ومد سے ضرورت کیوں پیش آئی ؟ اور حدیث اور سنت میں تفریق کے فلسفہ کے پس پردہ حقائق کیا ہیں؟۔ اس تحریر میں محض یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ حفاظت حدیث ایک معجزہ الٰہی ہے کسی بندہ بشر کے بس کی بات نہیں کہ وہ اس کام کو انجام دے سکے۔ اور اس کا تمام کام بأمر شرع انجام پایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل، تقریر سے متعلق وہ تمام سرمایہ جس انداز اور جن حالات میں محفوظ کیا گیا یہ ایک معجزہ سے کم نہیں۔ اس سرمائے کی حفاظت میں اتنی دقت اور باریک بینی کا واضح مقصد یہی تھا کہ حدیث دین ہے اور اسے محفوظ کئے بغیر دین محفوظ نہیں رہے گا۔

حدیث کی حفاظت کن مراحل اور کن کن حالات میں ہوئی اس کے مطالعہ سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا تھا کہ ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الحجر : 9] ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ وہ رب تعالیٰ نے بدرجہ اتم پورا فرمایا۔ کیونکہ حدیث بھی وحی

---

[1] فتنہ انکار حدیث کا ایک نیا روپ، از غازی عزیر ج1 ص138

ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت اپنے ذمہ لی ہے۔ اور حفاظت کے ایسے اسباب مہیا فرمائے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ صحیح احادیث محفوظ کردی گئیں، ضعیف اور موضوعات چھانٹ کر الگ کردی گئیں۔ ایک طرف تحریف کا عمل جاری رہا تو دوسری طرف تخلیص کا عمل بھی جاری رہا حق کو باطل سے علیحدہ کردیا گیا۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے ہاں یہ بات یقینی اور حتمی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کی حفاظت کا ذمہ لے لیں وہ کبھی ضائع نہیں ہوتی، کوئی مسلمان اس میں شک کی گنجائش بھی نہیں کرسکتا، اور نبی کریم ﷺ کا کلام مکمل وحی ہے فرمان باری تعالیٰ ہے'' ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى﴾ [النجم/3، 4] ''(پیغمبر) اپنی خواہش نفس سے کوئی بات نہیں کرتے۔ وہی کرتے ہیں جو ان کی جانب وحی کی جاتی ہے''۔ اجماع امت کی رو سے وحی ذکر ہے، اور ذکر کی حفاظت (قرآن سے) ثابت ہے کہ وہ محفوظ ہے، لہذا پیارے پیغمبر ﷺ کا کلام اللہ تعالیٰ کی حفاظت کی ذمہ داری لینے کی بدولت سے بہر صورت محفوظ ہوگیا ہے، اور یہ سب لامحالہ ہم تک نقل ہوچکا ہے۔[1]

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو جو کتاب اور حکمت دے کر مبعوث فرمایا وہ سب محفوظ ہے''[2]

علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ ''شرح نخبۃ الفکر'' میں تعلیقا لکھتے ہیں کہ جب عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ: ان موضوع روایات کا کیا بنے گا؟ (جو لوگوں نے دسیسہ کاریوں سے کتابوں میں داخل کردی ہیں)۔ آپ فرمانے لگے۔ اللہ تعالیٰ ان کیلئے بھی جہابذہ (نقاد وحذاق) پیدا فرمادے گا (جو خبیث کو طیب سے الگ کردیں گے)۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿إنا نحن نزلنا الذکر وإنا له لحافظون﴾ ''بیشک ہم نے ہی اس ذکر کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں''

آپ رحمہ اللہ کا مقصود یہ تھا کہ لفظِ ''ذکر'' میں اس کتاب کے الفاظ کے ساتھ اس کے معنی ومفہوم کی حفاظت کا ذمہ بھی اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ اور اس کے معنیٰ ومفہوم کی وضاحت احادیث نبویہ کی صورت میں

---

[1] الإحکام في أصول الأحکام ،ج 1 ص 241

[2] مجموع الفتاوی ،ج 6 ص 231

ہے جو قرآن کے احکام کی وضاحت کرتی ہیں۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ آپ لوگوں کو وہ بیان کردیں جو رب کی طرف سے ان پر نازل ہوا ہے۔ لہذا درحقیقت اللہ تعالیٰ نے کتاب اور سنت دونوں کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ [1]

حفاظت حدیث کے ذرائع

تدوین حدیث میں جس جانفشانی کا مظاہرہ کیا گیا وہ کسی اور قسم کی معلومات اور علم کی حفاظت میں نہیں کیا گیا۔

حدیث کی حفاظت کے ذرائع بھی وہی ہیں جو کہ قرآن مجید کی حفاظت کے ذرائع ہیں۔ اور احادیث بھی انہی لوگوں (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے ہم تک پہنچیں جن کے ذریعے ہم تک قرآن پہنچا۔ ذیل میں ان ذرائع کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ا: حفظ صدر:

عرب میں عموما کتابت سے زیادہ زبانی یاد کرنے کا رواج عام تھا۔ ''اس میں کوئی شک نہیں کہ عرب قوم کا حافظہ غیر معمولی تھا اور اس والہانہ عقیدت اور شیفتگی کی بنا پر جو وہ رسول اکرم ﷺ سے رکھتے تھے، ان کے ارشاداتِ گرامی کو حفظ کرنے کا انہیں بڑا اشتیاق تھا، جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم لوگ رسول اللہ ﷺ سے حدیثیں سنتے اور جب آپ ﷺ مجلس سے تشریف لے جاتے، تو ہم آپس میں حدیثوں کا دَورہ کرتے۔ یکے بعد دیگرے ہم میں سے ہر شخص ساری حدیثیں بیان کرتا، اکثر مجلس میں بیٹھنے والوں کی تعداد ساٹھ تک ہوتی اور وہ سب باری باری بیان کرتے، پھر جب ہم اُٹھتے تو حدیثیں یُوں یاد ہوتیں، گویا وہ ہمارے دِلوں پر نقش ہوگئی ہیں''۔ [2]

جو صحابہ کاروبار میں مصروف ہوتے وہ باریاں لگاتے تھے کہ ایک دن ایک حاضر ہوتا نبی ﷺ سے سنتا اور جا کر اپنے ساتھی کو سناتا دوسرے دن دوسرا ساتھی جاتا آپ ﷺ کی مجلس میں بیٹھتا اور واپس جا کر اپنے ساتھی کو جو کچھ سنا ہوتا سناتا۔ عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے پڑوسی کے ساتھ باری لگانے کا واقعہ مشہور

---

[1] شرح نخبة الفكر مع تعليق ملا علی قاری

[2] خطبات ومقالات از سید ابوبکر غزنوی رحمہ اللہ ص 264،263

ومعروف ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین کو شریعت سمجھتے تھے۔ (اس لئے وہ آپ کی مجالس کا اتنا اہتمام کرتے تھے۔)[1]

انہیں محض ایک حدیث کی تحقیق کیلئے ایک ماہ کا سفر بھی کرنا پڑا تو کیا۔ سیدنا جابر بن عبد اللہ نے عبداللہ بن انیس سے ایک حدیث سننے کیلئے شام کا سفر کیا جو کہ ایک مہینے پر محیط تھا اس وقت ان کے علاوہ کوئی ایسا فرزند نہیں تھا جس نے براہ راست وہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہو۔''[2]

سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے مصر میں جناب عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کیلئے سفر کیا جس کا مقصد بھی مسلمان کی پردہ پوشی میں وارد ایک حدیث کو سننا تھا۔ آپ جب عقبہ بن عامر سے ملے تو فرمانے لگے: ''مجھے وہ حدیث سناؤ جو تم نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ستر مسلم (مسلمان کی پردہ پوشی) کے بارے میں سنی تھی اس وقت اس حدیث کو سننے والوں میں صرف میں اور آپ ہی بچے ہیں۔ جب سیدنا عقبہ بن عامر نے وہ حدیث سنادی تو ابوایوب رضی اللہ عنہ اپنی سواری کا کجاوہ کھولے بغیر ہی مدینہ کی طرف واپس ہو لئے۔''[3]

حفظِ حدیث کیلئے صحابہ کا شوق دیدنی ہوا کرتا تھا۔ اگر ان سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی مجلس فوت ہو جاتی تو پریشان ہو جاتے، افسوس کرتے۔ عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ کتبِ حدیث میں مشہور ومعروف ہے کہ ایک دفعہ ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے آپ کے سامنے (استئذان) والی حدیث بیان کی یعنی اگر کوئی شخص کسی مسلمان بھائی کے گھر جاتا ہے تین دفعہ اجازت طلب کرے اگر گھر والا اجازت دے تو داخل ہو ورنہ واپس چلا جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی تو ان سے کہا کہ تمہاری اس بات کی گواہی کون دے گا۔ اس پر ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور آپ نے گواہی دی کہ میں نے بھی یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے۔ یہ سننے کے بعد عمر رضی اللہ عنہ افسردہ ہو گئے اور کہنے لگے [كيف فاتتني هذه السنة] یہ سنت مجھ سے کیسے چھوٹ گئی اسے یاد نہ کرسکا۔ پھر خود ہی جواب

---

[1] حوالہ کیلئے ملاحظہ ہو: صحیح بخاری: كتاب العلم ،باب التناوب في العلم

[2] صحیح بخاری : كتاب العلم ، باب الخروج في طلب العلم

[3] الرحلة في طلب الحديث ، للخطيب البغدادي ، ص 188

دے کر کہنے لگے[شغلني عنها الصفق بالأسواق] بازاروں میں تجارت کی غرض سے گھومنا پھرنا مجھے اس سنت کے یاد کرنے سے محروم کرگیا۔[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ حدیث سیکھنے کیلئے لوگوں کے دروازے پر آتے اور بیٹھے رہتے آپ فرماتے ہیں [فأطرق الباب فيقولون إنه نائم وسط النهار ، في القيلولةفأجلس عند بابه تسفي الريح في وجهه في حر الشمس حتى يستيقظ فاذا خرج ورآنى قال: ابن عم رسول الله صلى الله عليه وسلم هلا أرسلت إلي فآتيك ۔ فأقول : العلم أحق أن يؤتى إليه ۔۔۔۔۔] [2]

''میں کسی صحابی سے حدیث لینے اس کے گھر جاتا، دروازہ بجاتا تو اندر سے جواب ملتا ہے وہ قیلولہ کررہے ہیں ۔فرماتے ہیں میں ان کے بیدار ہونے کے انتظار میں ان کے گھر کے دروازے پر ہی بیٹھ جاتا گرد وغبار چہرے پر پڑتا اور سورج کی گرمی میرے چہرے کو جلا رہی ہوتی یہاں تک کہ وہ صاحبِ دار بیدار ہوکر گھر سے نکلتے اور مجھے دیکھتے تو فرماتے : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کے بیٹے ! آپ نے تکلیف کیوں کی ہمیں بلا لیتے ہم آپ کے پاس حاضر ہوجاتے ۔اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے کہ علم زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کے پاس جایا جائے نہ کہ اسے اپنے پاس بلایا جائے ۔''

صحابہ کرام کے حفظ حدیث کیلئے تڑپ ،شوق اور ولولے کی مثالیں بے شمار ہیں ۔اور صحابہ کی تعداد اور اگر دیکھا جائے تو اس وقت احکام وعبادات پر مشتمل احادیث کی تعداد پر شک صرف وہی کرسکتا ہے جس کے دل میں کجی، ٹیڑھ پن اور بیماری ہو۔ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

[قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم عن مائة ألف وأربعة عشرألف من الصحابة ممن روى عنه وسمع منه].[3]

---

[1] صحیح بخاری : كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة ، باب الحجة على من قال ان أحكام النبى ﷺ كا نت ظاهرة

[2] جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البر ج 1 ص 411

[3] التقريب مع التدريب ج 2 ص 220 بحواله تيسير مصطلح الحديث

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی اور سنی''۔

دوسرا ذریعہ: کتابت

عہد جاہلیت میں کتابت اگرچہ نہ ہونے کے برابر تھی مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ عرب قوم کتابت سے بالکل نابلد تھی۔ تاریخی حقائق سے واضح ہوتا ہے کہ عرب قوم کتابت کے مقام ومرتبہ سے بخوبی واقف تھی اگرچہ اس کا رواج ان میں کم تھا۔ ابن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

[كان الكامل عندهم في الجاهلية وأول الإسلام الذي يكتب بالعربية ...][1]

''عرب کے ہاں ایام جاہلیت میں اور اسلام کے ابتدائی دور میں کامل شخص وہی سمجھا جاتا تھا جو (تیراکی، نشانہ بازی و دیگر خصوصیات کے ساتھ) عربی لکھنا بھی جانتا ہو''۔

تاریخ میں بیشمار ایسی مثالیں موجود ہیں جن میں عرب کتابت کی قدر و منزلت کو سمجھتے تھے تفصیل کیلئے دیکھئے۔ (فتوح البلدان ص579-583، عیون الأخبار ج1۔ص43، القصد والأمم لابن عبد البر ص22 المحبر 475 اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کتاب الوثائق السیاسیۃ ص181)۔

فن کتابت میں مہارت عرب کے ہاں معروف ومعتبر تھی اور اسلام کے آنے کے بعد تو تعلیم و کتابت نے بے پناہ ترقی پائی۔ کیونکہ خود فنِّ کتابت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت دلچسپی لی اور اس کا بدرجہ اتم اہتمام بھی فرمایا۔ اس لئے عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فن کتابت کو یکا یک فروغ ملا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی اس میں بھی لکھنے پڑھنے کی ترغیب دی گئی چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ مزید فرمایا

﴿اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝﴾

تو پڑھتا رہ تیرا رب بڑے کرم والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے (علم) سکھایا۔

قرآن مجید کی دیگر چند آیات میں بھی کتابت کے احکام موجود ہیں جس میں قرض جیسے معاہدات کو لکھنے کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

---

[1] طبقات ابن سعد 91/2

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ﴾ [البقرة282]

'' اے ایمان والو جب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعاد مقررہ پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ اور لکھنے والے کو چاہیے کہ تمہارا آپس کا معاملہ عدل سے لکھے، کاتب کو چاہیے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ تعالیٰ نے اسے سکھایا ہے پس اسے بھی لکھ دینا چاہیے''۔

الغرض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیمِ کتابت پر بہت توجہ دی اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو اس بات پر مامور کیا کہ صفہ میں لوگوں کو لکھنا سکھائیں۔[1]

غزوہ بدر کے چند قیدیوں کو اس شرط پر رہا کرنے کا حکم دیا کہ وہ مسلمان بچوں کو فن کتابت سکھائیں۔''[2]

صفہ میں ایک باقاعدہ درسگاہ قائم کی گئی۔ الغرض اگر فن کتابت کو ترقی اور فروغ دینے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مساعی جمیلہ کا تفصیل سے تذکرہ کیا جائے تو اس کیلئے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت پڑے گی۔ اسی تعلیم و تربیت کا اثر تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے احادیث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں بھی لکھیں اور بعد میں بھی۔

احادیث کا وہ عظیم ذخیرہ جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاتھوں قلمبند ہوا وہ ایک بہت بڑا ذخیرہ تھا اور بقول سید ابوبکر غزنوی رحمہ اللہ: ''اس کی تعداد اُن احادیث سے ہرگز کم نہیں، جو آج حدیث کی مستند اور مطبوعہ کتابوں میں موجود ہیں''۔[3]

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں قلمبند ہونے والی احادیث کو اہل علم تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱: وہ احادیث جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے لکھی گئیں۔

۲: وہ احادیث جنہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے آپ کی مجلس میں بیٹھ کر لکھا۔

---

[1] الکتانی ، ج 1 ، ص 48

[2] طبقات ابن سعد ج 12 ص 140

[3] خطبات و مقالات ص 264

۳: وہ احادیث جنہیں صحابہ کرام نے مجلس نبوی میں سنا اور مجلس برخاست ہونے کے بعد قلمبند کیا۔

وہ احادیث جو آپ کے حکم سے لکھی گئیں

ان میں مختلف صحیفے اور قبائل اور بادشاہوں کے نام خطوط و وثائق شامل ہیں جن میں چند مندرجہ ذیل ہیں:

صحیفہ عمرو بن حزم: جو زکوٰۃ، صدقات اور خون بہا سے متعلق آپ ﷺ نے عمرو بن حزم کو اہل یمن کیلئے لکھوا کر دیا تھا۔[1]

قبیلہ جہینہ کے نام تحریر: جس میں یہ حکم بھی تھا کہ مردار جانوروں کی کھال اور پٹھے بغیر پکائے ہوئے کام میں نہ لاؤ۔''[2]

صحیفہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ: جس میں آپ ﷺ نے نماز، روزہ، شراب اور سود وغیرہ کے احکامات درج کرائے تھے۔''[3]

صحیفہ اہل یمن: جس کا ذکر سنن دارمی میں ہے کہ آپ ﷺ نے اہل یمن کو لکھ بھیجا کہ ''قرآن مجید کو صرف پاک آدمی چھوئے، نکاح سے پہلے طلاق نہیں، اور غلام خریدنے سے پہلے آزاد نہیں کیا جا سکتا۔''[4]

صحیفہ علی ابن ابی طالب[5]

صحیفہ جابر بن عبداللہ

صحیفہ صحیحہ جسے ھمام بن منبہ نے سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔[6]

ان میں سے اکثر صحیفے صحیح بخاری میں مروی ہیں جنہیں وہ اپنی سند سے ذکر کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ آپ ﷺ نے شاہان عرب وعجم کو دعوتی خطوط ارسال کئے جن میں سے چند آج بھی اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہیں۔ اس قسم کے خطوط و وثائق کو ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے جمع کیا ہے۔ جو کہ ''مجموعة الوثائق السياسية'' کے نام سے مطبوع ہے۔ آپ ﷺ نے جو خط مقوقس شاہ مصر کے نام بھیجا تھا، یہ خط مصر کے آثارِ قدیمہ کی کھدائی میں برآمد ہوا اور آج بھی مصر میں موجود ہے۔ نجاشی اور منذر بن

---

[1] شرح معاني الآثار ، للطحاوي ج 2 ص 417 بحواله خطبات ومقالات ۔

[2] سنن ترمذی جلد 1ص 206 [3] طبرانی صغیر ص 241 ۔ 242 [4] مسند دارمی ص : 393

[5] صحیح بخاری :کتاب العلم ، باب کتابة العلم [6] صحیفہ ھمام بن منبہ۔ تحقیق، علی حسن علی عبدالحمید، مطبوعہ المکتب الاسلامی

ساوی کے نام آپ ﷺ نے جو تبلیغی خطوط لکھے ان کی اصلیں بھی موجود و معروف ہیں۔ [1]

کتاب الصدقۃ: جس میں جانوروں کی زکوٰۃ کے مسائل تھے یہ آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں تحریر کروائی تھی جسے اپنے عاملین کے پاس روانہ کرنا تھا لیکن اسے روانہ کرنے سے پہلے ہی آپ دار فانی سے رحلت فرما گئے بعد ازاں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کتاب کو عاملوں کے پاس بھیجا''۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینے ہجرت کے بعد یہود سے جو معاہدہ کیا تھا جو ضبط تحریر میں لایا گیا جس میں فریقین کے حقوق وواجبات کی تفصیل درج تھی۔ اس دستاویز کو مختلف سیرت نگاروں نے اور مؤرخین نے ذکر کیا ہے جس میں ابوعبید قاسم بن سلام نے اپنی کتاب '' الأموال ''میں، ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں اور ابن کثیر نے '' البداية والنهاية ''میں نقل کیا ہے۔

وہ احادیث جو آپ ﷺ کی اجازت سے لکھی گئیں

ان میں سب سے واضح مثال سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ وہ آپ کی زبان مبارک سے نکلی ہر بات کو لکھ لیا کرتے تھے صحابہ نے انہیں ٹوکا کہ رسول اللہ ﷺ بشر ہیں کبھی غصہ کی حالت میں بھی ہوتے ہیں اس لئے آپ ہر بات لکھا نہ کریں۔ عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے ذکر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: '' تم لکھ لیا کرو۔ پھر دہانِ مبارک کی طرف اُنگلی سے اشارہ کر کے فرمایا:

[وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا الْحَقَّ] [2]

'' مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس منہ سے حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی۔ ''

اس کے بعد عبداللہ لکھتے رہے حتی کہ ان کے پاس ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا جو بعد ازاں صحیفہ صادقہ سے معروف ہوا۔ [3]

---

[1] مجموعہ الوثائق السیاسیہ ص 50۔ اور مجلہ الهلال، اکتوبر، نومبر، دسمبر 1904م [2] أبوداؤد: كتاب العلم ، باب في كتابة العلم

[3] نوٹ: صحابہ کرام کے لکھے ہوئے ان تمام صحائف اور دیگر تحریروں اور آپ ﷺ کے مراسلات کی اسنادی حیثیت اور ان میں درج احکامات وغیرہ کی تفصیل کیلئے المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کے تحت '' دفاع حدیث انسائیکلو پیڈیا '' تیار کیا جا رہا ہے ان تمام وثیقہ جات کی مکمل تفصیلات قارئین اس میں ملاحظہ فرما سکیں گے۔ ان شاء اللہ

صحابہ کے نام سے صحیفے مشہور ومعروف ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ لکھا کرتے تھے۔

احادیث کی تیسری قسم

جو صحابہ مجلس برخاست ہونے کے بعد لکھا کرتے تھے اس کی بھی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ اس میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا مجموعہ احادیث واضح مثال ہے۔ بلکہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ تو اپنے بچوں کو بھی لکھنے کی تلقین کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے: [یابنيّ قيّدوا هذا العلم] ''میرے بیٹو اس علم کو ضبطِ تحریر میں لاؤ۔''

جناب ڈاکٹر محمد مصطفی اعظمی نے اپنی کتاب: ''دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه '' میں تقریبا پچاس سے زائد ان صحابہ کرام کے نام ذکر کئے ہیں جنہوں نے حدیث کو تحریر بھی کیا اور یاد بھی اور ان سے آگے ان کے شاگردوں نے بھی ان سے لکھا اور آگے پہنچایا۔[1]

صحابہ کے بعد تابعین کی دور میں حفاظت حدیث کیلئے جانفشانی سے محنت کی گئی۔ جس میں حفظِ حدیث، کتابتِ حدیث، روایتِ حدیث اور طلبِ حدیث کے لئے رحلت کی نادر ونایاب مثالیں موجود ہیں جن کو عقل انسانی سمجھنے سے قاصر ہو جاتی ہے۔ یہ ان کاوشوں کا ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں، کتنی عمریں اس میں فنا ہوئیں، کتنے وسائل خرچ ہوئے، کتنی کتابیں تحریر کی گئیں، علم الرجال اور تراجم رواۃ کی کتابوں پر نظر ڈالی جائے تو انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ آج جو ڈیٹا کمپیوٹر محفوظ کرتا ہے وہ کام ان لوگوں کی عقلیں کیا کرتی تھیں۔

الغرض: رہبرانِ دین وملّت کے سوانح اور سیرت مختلف انداز سے قلم بند ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں جو برتری نبی آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہے اس میں کوئی آپ کا حریف نہ نکلا۔ تاریخی ہیرو کے مولد ومسکن، سنہ ولادت اور مشہور وغیر مشہور ہر قسم کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے لیکن جو انداز رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

---

[1] دیکھئے دراسات فی الحدیث النبوی وتاریخ تدوینہ ج 1 ص 92 تا 142 نیز اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے تابعین کا اور ان کے شاگردوں کا بھی تذکرہ فرمایا ہے تفصیل کیلئے مذکورہ کتاب ملاحظہ کیجئے۔

سیرت وسوانح کے لیے وجود میں آیا اس کے عنوانوں میں قسم قسم کی رنگینیاں ہیں [1]

مگر آج کے چند بدنصیب لوگ ان احادیث کو فارسی سازش کا شاخسانہ کہہ کر اور بعض تأویلات باطلہ کا سہارا اس بیش بہا ذخیرہ حدیث کو ایک پھونک میں اڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یا للعجب۔

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا

حفاظت ِحدیث بذریعہ عمل:

یہ دینِ اسلام کا خاصہ ہی ہے کہ اس کی حفاظت محض حفظ ، اور کتابت سے نہیں بلکہ عمل سے بھی ہوئی ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یہی کوشش ہوا کرتی تھی کہ وہ آپ ﷺ سے جو کچھ سنیں، سیکھیں، اس پر عمل پیرا ہوں۔ حتیٰ کہ تمام شریعت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں میں رچ بس گئی۔

صحابہ آپ ﷺ کے اقوال وافعال پر عمل کرنے کیلئے کتنے حریص تھے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل روایت سے ہوتا ہے۔

صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سونے کی انگوٹھی پہنی ،تو صحابہ نے بھی سونے کی انگوٹھیاں پہن لیں۔ پھر نبی ﷺ نے اپنی اس انگوٹھی کو اتار پھینکا اور فرمایا کہ میں آئندہ کبھی بھی (سونے) کی انگوٹھی نہیں پہنوں گا ،تو تمام صحابہ نے بھی اپنی سونے کی انگوٹھیاں اتار پھینکیں۔" [2]

صحابہ کے بعد یہی تعامل تابعین رحمہم اللہ کے عہد میں جاری رہا اور جیسے جیسے وقت گذرتا گیا اگرچہ اس میں کچھ کمزوری آتی گئی مگر اب بھی امت کی بہت بڑی تعداد ہے جو اجتماعی اور انفرادی عبادات پر کاربند ہے۔اور سلسلہ درسلسلہ یہ تعامل جاری وساری ہے۔

حفاظت حدیث بذریعہ تبلیغ:

نبی اکرم ﷺ علیہ وسلم نے متعدد مقامات پر یہ احکامات دئے تھے کہ " بلغوا عني ولو آية " [3]

---

[1] سیاسی وثیقہ جات از ڈاکٹر حمید اللہ مترجم ص ۱۵

[2] البخاری : کتاب اللباس ، باب خاتم الفضة

[3] البخاری : کتاب أحادیث الأنبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل

''میری طرف سے بیان کرو چاہے ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔''

ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو تروتازہ رکھے جس نے میری بات سنی پھر اسے یاد کیا اور پھر ویسے ہی اسے آگے پہنچا دیا۔۔۔۔''[1]

آپ ﷺ کے فرامین کی روشنی میں صحابہ کرام نے ان شرعی احکامات کو آگے پہنچانا اپنا شرعی اور دینی فریضہ سمجھا۔ اور محض پہنچایا ہی نہیں بلکہ جہاں برائی دیکھی اسے ختم کرنے کی کوشش بھی کی تاکہ دین اپنی اصل حالت میں محفوظ رہ سکے۔ حتیٰ کہ انہیں اگر کبھی کوئی خرابی، بدعملی یا کوتاہی نظر آتی تو فوراً ٹوک کر کہہ دیا جاتا کہ رسولِ اکرم ﷺ کا عمل تو اس طرح تھا۔ جیسا کہ ایک مرتبہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ گٹھلیوں پر وِرد کر رہے ہیں تو انہوں نے اس پر تعجب اور غصے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

[ويحكم يا أمة محمد ما أسرع هلكتم، هؤلاء صحابة نبيكم متوافرون وهذه ثيابه لم تبل وآنيته لم تكسر ... أو مفتتحوا باب ضلالة][2]

''اے امتِ محمد! تم پر افسوس کہ تم کتنی جلدی ہلاکت کی طرف جا رہے ہو حالانکہ ابھی تو تم میں صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد موجود ہے اور اللہ کے نبی ﷺ کے کپڑے بھی ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے اور نہ ہی آپ ﷺ کے برتن ابھی ٹوٹے ہیں... کیا تم گمراہی کا دروازہ کھولنا چاہتے ہو؟''

تعلیم و تعلم:

یہ باب اتنا وسیع ہے کہ اس کیلئے مجلدات کی ضرورت ہے۔ مگر یہ بات واضح ہے کہ اصحاب صفہ کا رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی ایک تعلیمی مدرسہ قائم کر دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ بہت سے صحابہ کو مختلف علاقوں میں وہاں کے لوگوں کو تعلیم دینے کیلئے روانہ کیا۔ جیسا سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو آپ نے یمن روانہ کیا۔''[3]

---

[1] سنن ابی داؤد : کتاب العلم ، باب فضل نشر العلم

[2] مسند دارمی، کتاب العلم (المقدمة) باب فی کراهية أخذ الرأی

[3] مسند أحمد والدارمي وأبو داود والترمذي .

حفاظت حدیث چند دیگر درخشاں پہلو:

جن صحابہ کو زیادہ حدیثیں یاد تھیں انہیں عمریں دراز نصیب ہوئیں: اللہ تعالیٰ نے اس دین کی حفاظت اس طرح بھی فرمائی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جن صحابہ کو زیادہ حدیثیں یاد تھیں انہیں عمریں دراز نصیب ہوئیں حتکہ کہ تابعین نے ان سے وہ مکمل علم حفظ کرلیا جوانہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یاد کیا تھا۔ ذیل میں چند صحابہ جو مکثرین میں سے ہیں ان سے متعلق چند تفصیلات تحریر کی جاتی ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ حفاظت دین بغیر حفاظت حدیث کے ممکن نہیں اور یہ ایک معجزہ الٰہیہ ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جن اصحاب کی سب سے زیادہ روایتیں ہیں اس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

صحابی، یا صحابیہ کا نام	تعداد روایات	رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں گذارا ہوا عرصہ	سال وفات
سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	5374	عام خیبر سن ۷ ھجری کو اسلام لائے۔ اور اپنی زندگی کو تعلیم و تعلم کیلئے وقف کردیا۔	۵۹ ھ کو مدینہ منورہ میں فوت ہوئے
سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ	2630	اپنے والد کے ساتھ بلوغت سے قبل اسلام لائے جس وقت غزوہ خندق میں شریک ہوئے اس وقت آپ کی عمر ۱۵ سال تھی جب رسول اللہ کی وفات ہوئی تو آپ کی عمر ۲۲ سال تھی	سنہ ۷۳ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے
سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ	2286	بچپن سے اسلام لائے اور صغر سنی میں ہی ان کی والدہ نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کیلئے پیش کردیا تھا۔	سن 93ھ میں بصرہ شہر میں فوت ہوئے
سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ	1660	ہجرت سے تین سال قبل آپ پیدا ہوئے۔ پیدائشی مسلمان تھے۔	سن ٦٨ میں طائف میں فوت ہوئے
سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ	1540	ہجرت سے قبل اسلام لائے۔ آپ نے بیعت عقبہ ثانیہ میں شرکت فرمائی تھی۔	سن ۷۸ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ	1170	سن بلوغت سے قبل اسلام لائے۔غزوہ خندق اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے۔	سن ۷۴ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے
سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا	2210	مکہ مکرمہ میں ہجرت سے سات سال قبل پیدا ہوئیں۔حالت اسلام پر آپ کی پیدائش ہوئی۔	سن ۵۸ ہجری میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئیں

یہی وہ لوگ ہیں جن کی روایات آج سیرت نبوی ﷺ کا سب سے بڑا سرمایہ ہیں۔

صحابہ میں سب سے زیادہ فتاویٰ جن صحابہ سے منقول ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

[إنتهى علم الصحابة إلى ستة:عمر وعلى وأبي بن كعب وزيد بن ثابت وأبي الدرداءوابن مسعود ثم إنتهى علم الستةإلى علي وعبد الله بن مسعود].[1]

صحابہ کے علم کا منتہیٰ چھ افراد پر ہے: عمر، علی، ابی بن کعب زید بن ثابت، ابی درداء، ابن مسعود رضی اللہ عنہم۔ پھر چھ کا علم علی اور عبداللہ بن مسعود پر ختم ہوتا ہے"۔

تسلسل تاریخی کے اعتبار سے سنت رسول ﷺ کو محفوظ کرنے کا انداز اور اس کا منطقی باہمی ربط:

پہلی صدی میں حفاظت حدیث:

اس صدی میں چونکہ صحابہ کی کثرت تھی۔اور صحابہ کے حوالے سے ہم لکھ چکے ہیں کہ وہ حفظ حدیث، اور اسے تحریر کرنے اور یاد کر کے اپنی عملی زندگی میں نافذ کرنے کے حوالے سے کتنے حریص تھے۔صحابہ کے حوالے سے عمومی قاعدہ ہے کہ" الصحابة کلهم عدول "صحابہ سب عادل ہیں کیونکہ ان کی پاکدامنی اور سچائی کی گواہی باری جل وعلا نے ساتوں آسمانوں سے دی ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾[البينة:8] اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔

چونکہ اس صدی کے ابتدا میں سند اور چھان پھٹک کی اتنی ضرورت نہیں تھی اس لئے صحابہ کا دور حدیث کو یاد کرنے، اسے لکھنے، اس کی تحقیق کرنے، اور اپنے تلامذہ کو اس کے لکھنے اور محفوظ کرنے کی تلقین کے حوالے

[1] تیسیر مصطلح الحدیث ص 153

سے بسر ہوا۔

صحابہ کے بعد تابعین کا دور شروع ہوا اس دور میں علم اسناد کی اہمیت واضح ہونا شروع ہونے لگی۔ خلیفہ اموی جناب عمر بن عبد العزیز اور ابن شہاب زھری رحمہا اللہ کی تدوین سنت میں خدمات جلیلہ نمایاں ہوئیں۔ ابن شہاب زھری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہمیں عمر بن عبد العزیز نے سنن رسول ﷺ کو جمع کرنے کا حکم دیا لہذا ہم نے انہیں دفتر از دفتر محفوظ کرلیا۔ انہوں نے اپنے ہر امیر کے پاس ایک ایک رجسٹر روانہ کر دیا۔''[1]

دوسری صدی ہجری میں: اس دور میں حدیث کے مختلف فنون میں تصنیفات اور کتابیں لکھی جانے لگیں۔

اس دور میں احادیث رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام کے اقوال اور تابعین کے فتاوی بھی جمع کئے جانے لگے۔ جبکہ اس سے قبل صحیفوں میں محض احادیث کو ہی لکھا جایا کرتا تھا۔

الغرض اس دور میں جو کتابیں لکھی گئیں۔ انہیں مختلف نام بھی دیئے گئے۔

جن میں سب سے پہلی کتاب موطا امام مالک رحمہ اللہ کی ہے۔ جبکہ دیگر کتابوں میں مصنف۔ جامع۔ سنن۔ جہاد۔ زھد۔ سیر و مغازی وغیرہ شامل ہیں۔

تیسری صدی ہجری میں: اس زمانے کی خصوصیات یہ تھیں کہ

اس صدی میں مصنفاتِ حدیث میں ایک نئی قسم کا اضافہ ہوا۔ اس دور میں فن حدیث اپنے کمال کو پہنچ چکا تھا۔ یہ دور حفاظِ حدیث، نقاد، اور بلند پایہ محدثین کا دور ہے۔ جن میں احمد بن حنبل، علی ابن مدینی، یحی بن معین، امام بخاری، امام مسلم، جیسے نام شامل ہیں جن کے ہاتھوں حدیث کے بہت سے علوم وفنون کی بنیاد رکھی گئی۔ بالخصوص علم جرح وتعدیل کا علم اس دور میں نمایاں خصوصیات کا حامل رہا۔ اس دور کو علوم اسلامیہ کے حوالے سے عموما اور علوم سنت کے حوالے سے خصوصا ایک سنہری دور قرار دیا جاتا ہے۔ جس میں گراں قدر تصنفی اور فنی خدمات انجام کی گئیں اور بہت سے علوم مدون ہوئے۔

تدوین حدیث چوتھی اور پانچویں ہجری میں:

اس دور میں علم حدیث میں دو اور قسم کے علوم کا اضافہ ہوا جن میں **پہلی قسم:** مصطلح حدیث کی کتابوں کی

---

[1] جامع بيان العلم وفضله 76/1

تصنیف۔علم مصطلحات حدیث اس سے قبل متفرق اور متشتت کتب میں منتشر تھا اس دور میں اسے بطور فن خصوصی تصنیفات میں جمع کیا گیا۔جبکہ اس سے قبل علم مصطلح امام شافعی رحمہ اللہ کی کتاب ''الرسالۃ'' اور امام مسلم کی صحیح کے ''مقدمہ'' وغیرہ میں بیان ہوا تھا۔

بعد ازاں اس میں مستقل تصنیف جو سامنے آئی اس کا نام '' المحدث الفاصل بین الراوی والواعی '' تھا جو اس فن میں پہلی کتاب لکھی گئی تھی۔

دوسری قسم: کتب مستخرجات وجود میں آئیں۔جبکہ اس سے قبل اس قسم کی تصنیفات نہیں تھیں۔اس قسم کی تصنیفات کا طریقہ اور ماہیت ماہرین فن بخوبی جانتے ہیں۔جس کے متعدد فوائد ہیں چند ایک مندجہ ذیل ہیں:

۱: سند عالی حاصل کرنا۔

۲: صحیح حدیث کی قدر ومنزلت ومکان ومرتبت میں اضافہ کرنا جس سے بعض روایات میں زائد الفاظ بھی ملتے ہیں اور بعض احادیث کا تتمہ بھی مل جاتا ہے۔

۳: حدیث کی کثرت طرق کا بیان تاکہ بوقت ترجیح اس سے استفادہ کیا جائے۔

۴: مدلس کے سماع کی صراحت وغیرہ۔

الغرض علوم حدیث پر اگر نظر دوڑائی جائے انسانی عقل حیران وششدر رہ جاتی ہے کہ اتنا بڑا ذخیرہ اس کے اتنے پہلو اور فرمان رسول ﷺ کی حفاظت کیلئے اتنے علوم وفنون کا وجود یہ سب باری جل وعلا کی عنایت ہے۔﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾[الصف:8]

حفاظت حدیث کے معجزاتی پہلوؤں کی یہ ہلکی سی جھلک تھی ان کی تفصیل کیلئے اصحاب فن اور کتب حدیث کی جانب رجوع کیا جاسکتا ہے۔محض حدیث کی حفاظت کیلئے کتنے علوم وجود میں آئے۔ان علوم کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے علامہ ابن صلاح کی تصنیف ''علوم الحدیث'' ملاحظہ کیجئے جس میں انہوں نے ۶۵ علوم کا تذکرہ کیا ہے۔[1]

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث لابن صلاح

ان میں چند قابل ذکر درجِ ذیل ہیں۔

صحیح، حسن، ضعیف، مسند، متصل، مرفوع، موقوف، مقطوع، مرسل، منقطع، معضل، تدلیس ومدلس کا حکم، شاذ، منکر، اعتبار متابعات شواہد، زیادات ثقات اور اس کا حکم، افراد، حدیث معلل، مضطرب، مدرج، موضوع، مقلوب، کی معرفت۔

نیز: جس راوی کی روایت قبول کی جاتی ہے اور جن کی رد کی جاتی ہیں ان کی صفات، کتابت حدیث، آداب محدث، محدثین کے القابات کی پہچان، رواۃ اور علماء کے طبقات کی پہچان، ان ثقات کی پہچان جنہیں آخر عمر میں اختلاط یا حافظ کمزور ہوگیا تھا۔ راویوں کی تاریخ وفات، راویوں کے ملکوں اور شہروں کی معلومات الغرض کوئی ایسا پہلو نہیں کہ انسانی عقل سوچے اور اس میں موجود نہ ہو۔ یہ سب اس بات کی گواہی ہے کہ یہ تمام کام باری جل وعلا کی حفظ وعنایت اور اس دین کی حفاظت کیلئے انجام پایا ہے جو کہ ہمارے پاس قرآن وحدیث کی شکل میں موجود ہے۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے ابن صلاح کی کتاب معرفۃ علوم الحدیث)

حاصل کلام:

صحابہ کرام، تابعین ومحدثین حفاظتِ دین کیلئے یہ خدمات انجام دے کر ہم پر بہت بڑا احسان اور قرض چھوڑ گئے جسے ہم ساری زندگی بھی اس علم کی خدمت میں گذار دیں تو بدلہ نہیں دے سکتے۔ اور نہ یہ قرض اتار سکتے ہیں۔ مگر بالعموم عوام الناس میں مشاہدہ یہ کیا گیا ہے کہ وہ کسی ٹی وی چینل پر کسی بے ڈھنگے محقق، ڈسکو مولویوں، دین کا مذاق اڑانے والے نام نہاد مذہب پرستوں کا کوئی پروگرام سن لیں تو اپنے ذہن میں حدیث وسنت، دین ومذہب سے متعلق چند شبہات بٹھا لیتے ہیں اور پھر لگتے ہیں ان کا پرچار کرنے۔ فلان نے ایسے کہہ دیا اور فلاں نے ایسے، اس نے یہ دلیل دی اور فلاں نے وہ۔ یہ سب ایمان کی کمزوری کی علامات ہیں۔ ہم سب کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہئے۔

جب ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پڑھا ہے تو پھر محمد ﷺ کی بات میں شک کرنا یا دین کے کسی جزو پر تنقید کو اپنے دل میں جگہ دینا نفاق کی دلیل ہے۔ اس ایمان کی پختگی کیلئے ضروری ہے کہ ہم اپنے اسلاف کی تاریخ پڑھیں۔ اپنے دین اور اپنے صحابہ، تابعین محدثین کی ان جہود کا ذرا جائزہ لیں کہ انہوں نے کس طرح اس دین کو ہم تک پہنچایا۔ ہم ہیں کہ بجائے ان کے مشکور ہونے کے، ان کیلئے دعائیہ کلمات کہنے کے اپنے

اسلاف کی ان تمام جہود کو ایک اداکار اور کاسہ بردار کے اعتراض کی بھینٹ چڑھادیتے ہیں۔

جبکہ قرآن مجید نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے۔ترجمہ:''جو اللہ کے رسول دے دیں اسے لے لو اور اس سے روک دیں اس سے رک جاؤ''۔

اسی قرآن نے ہمیں رسول کا ادب کرنا سکھایا ہے۔اور آپ کی اطاعت اور پیروی کا حکم دیا ہے۔اور آپ کے حکم سے روگردانی کی شکل میں عذاب الیم سے ہمیں ڈرایا ہے۔فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾[النور: 63]

''جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائیں یا انہیں کوئی دردناک عذاب پہنچ جائے''۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو رسول اکرم ﷺ کے فرامین پر عمل پیرا ہونے اور ان کی تعظیم وتکریم کی توفیق عطا فرمائے انہ ولی التوفیق۔

وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین

اعتذار

ادارہ قارئین سے معذرت خواہ ہے کہ چند ناگزیر انتظامی وجوہات کی بنا پر البیان کے آخری دو شمارے (اکتوبر تا دسمبر 2013 اور جنوری تا مارچ 2014) اپنے مقررہ وقت پر شائع نہ ہو سکے جس بنا پر اب ان دونوں شماروں کو ایک ساتھ ہی ضم کر کے مئی میں شائع کیا جا رہا ہے۔مگر الحمد للہ اب تمام پیش آمدہ مسائل کا ازالہ کر لیا گیا ہے۔

آئندہ ان شاء اللہ تمام شمارے اپنے وقت مقررہ پر شائع ہوں گے۔اگر آپ کو البیان باقاعدگی سے موصول نہ ہو رہا ہو تو درج ذیل نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں۔

03333574685

(ادارہ)

شہر کراچی
میں
منعقدہ عظیم الشان

نمائش

بعنوان

صلی اللہ علیہ وسلم

رحمة للعالمین

کا اجمالی جائزہ

سیرتِ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دورِ حاضر کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے ایک جدید منفرد و باوقار طریقے سے نمائش کے انداز میں پہلی بار شہر کراچی میں اہل حدیث مکتبہ فکر کی جانب سے ''المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی'' کے زیر انتظام پیش کیا گیا۔ جو پاکستان بھر میں اپنی نوعیت کی پہلی منفرد نمائش تھی۔

تحریر
حماد امین چاولہ
مدیر شعبہ دعوت وتبلیغ
المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر

اللھم صل علی محمد و علی آل محمد

تمہید و تعارف

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر شہر کراچی میں قائم ایک تعلیمی ، تحقیقی ، دعوتی و تبلیغی اور رفاہی ادارہ ہے جو فاضلین اسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ کے تحت بحمد اللہ و توفیقہ دینِ حنیف کی خدمت میں مصروفِ عمل ہے۔

سینٹر کے شعبہ دعوت و تبلیغ کے تحت سیرتِ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمائش کا انعقاد کیا گیا، سیرتِ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دورِ حاضر کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے ایک جدید، منفرد و باوقار طریقہ سے نمائش کے انداز میں پہلی بار شہر کراچی میں پیش کیا گیا جو کہ پاکستان بھر میں اپنی نوعیت کی پہلی منفرد نمائش تھی۔

نمائش کا انعقاد و افتتاح

دو روزہ نمائش 1 فروری صبح 11 بجے تا دو 2 فروری رات 10 بجے،

کراچی کے اہم تجارتی مرکز طارق روڈ پر واقع مغلِ اعظم لان میں منعقد کی گئی۔

نمائش کا افتتاح المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کے سرپرستِ اعلیٰ

فضیلۃ الشیخ علامہ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ نے کیا۔

الشیخ حفظہ اللہ کا شمار پاکستان کے معروف و کبار اہلِ علم میں ہوتا ہے، آپ امام محمد بن سعود اسلامی یونیورسٹی ریاض سے فارغ التحصیل ہیں اور شہر کراچی کے معروف دینی مرکز ''المعھد السلفی للتعلیم والتربیہ'' کے بانی و رئیس اور شیخ الحدیث ہیں۔

انتظام وانصرام

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کے حالیہ 7 بنیادی ذمہ داران ہیں (جو کہ اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورہ سے فارغ التحصیل ہیں) اللہ کی توفیق کے بعد انہی کی انتھک محنتوں و کاوشوں سے یہ نمائش منعقد کی گئی۔ان مشائخ کے اسمائے گرامی درجِ ذیل ہیں:

شیخ سعید احمد شاہ (رئیس سینٹر) **شیخ عثمان صفدر** (مدیر سینٹر) **شیخ حماد امین چاؤلہ** (مدیر شعبہ دعوت وتبلیغ)

شیخ خالد حسین گورایہ (مدیر شعبہ تحقیق وتصنیف) **شیخ شعیب مدنی** (مدیر شعبہ تعلیم وتربیت)

شیخ جمشید سلطان (مدیر مارکیٹنگ شعبہ) **شیخ عمران فیصل** (مدیر شعبہ رفاہی امور)

نیز معاونین کے طور پر ایک پوری ٹیم کا تعاون اس میں شامل ہے جس میں سینٹر کے فیملی ممبران، اہلِ خیر حضرات کے ساتھ ساتھ رضا کاران اور سینٹر کے ڈیزائنر شامل ہیں۔اس کے علاوہ سینٹر کی جانب سے نمائش میں بڑی تعداد میں مستقل طور پر مفتیانِ کرام اور اسکالرز و دعاۃ موجود رہے جو سیرتِ نبوی ﷺ کی مستند تعلیم، دینِ اسلام کی حقانیت، عقیدہ توحید، سنتِ نبوی ﷺ کی محبت، تعظیم و اطاعت اور اخلاقی و معاشرتی تعلیمات نبوی ﷺ سے زائرین کو بھرپور طور پر آگاہ کرتے رہے۔

نمائش کی تفصیلات

بنیادی طور پر یہ نمائش دو حصوں پر مشتمل تھی:

بڑے جہازی سائز کے پینا فلیکس بورڈز اور مٹی کے معیاری وخوبصورت ماڈلز

نمائش کو سیکشن کی صورت میں 10 حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا جس کی مختصراً وضاحت کچھ یوں ہے

پہلا سیکشن

استقبالیہ وتعارف سیکشن

جس میں

❀ المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کا تعارف

❀ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم کا مقصد

❀ نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کی فضیلت

❀ اور مقاماتِ درود وسلام

کے عنوان سے پینا فلیکس آویزاں تھے۔

دوسرا سیکشن

مکہ سیکشن

جس میں درجِ ذیل امور کو اجاگر کیا گیا تھا:

❁ سابقہ کتب و دیگر ادیان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی بشارت و ذکرِ مبارک

❁ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکمل تفصیلی شجرہ نسب

❁ جائے ولادتِ باسعادت کا تذکرہ

❁ ولادتِ باسعادت کے وقت عرب کی جغرافیائی و مذہبی حالت

❁ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص و عادات مبارکہ

❁ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے کی مکی زندگی کا خلاصہ

❁ غارِ حراء کا تذکرہ

❁ بیعتِ عقبہ اولیٰ و ثانیہ اور شعبِ ابی طالب میں بنو ہاشم کے بائیکاٹ کے تذکرہ سمیت بعثت کے بعد کی مکی زندگی کا خلاصہ نکات کی صورت میں پیش کیا گیا۔

تیسرا سیکشن

معجزات سیکشن

جس میں پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم الشان معجزات پر روشنی ڈالی گئی:

❁ معجزہ کی تعریف اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات

❁ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم

❁ واقعہ شقِ قمر ❁ واقعہ اسراء و معراج

❁ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاء و لعاب مبارک سے متعلقہ معجزات

❁ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پانی، جمادات و جانوروں سے متعلقہ معجزات

❁ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بذریعہ وحی بیان کردہ غیب کی خبروں و علاماتِ قیامت سے متعلقہ معجزات جیسے قیصر و کسریٰ کی تباہی وغیرہ، علاماتِ قیامت وغیرہ، معجزات سیکشن میں ان سب کا ذکر شامل تھا۔

مکہ مکرمہ کا ماڈل

جس میں درجِ ذیل امور کو اجاگر کیا گیا تھا:

❁ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ

❁ جائے ولادتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

❁ حدودِ حرمِ مکہ

❁ حرم وحرم کے دروازے

❁ زمزم کے چشمہ کے مقامات

❁ صفاومروہ اور مکہ کے دیگر پہاڑ

❁ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مکانات کے مقام

❁ منیٰ وعرفات کے مقامات

❁ شعب ابی طالب اور بیعتِ عقبہ کے مقام وغیرہ۔

پانچواں سیکشن

ہجرت وغزوات سیکشن

ہجرت سے فتح مکہ تک

جس میں درجِ ذیل امور کو نمایاں کیا گیا تھا:

- نبیِ رحمت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ہجرت کا ذکر
- سفرِ ہجرت
- اہم غزوات مبارکہ جیسے:

غزوہ بدر، احد، خندق، خیبر، موتہ، فتح مکہ و دیگر غزوات

- صلح حدیبیہ کا تفصیلی ذکر بمع نقشہ جات
- آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے امراء کو روانہ کئے گئے خطوط

چھٹا سیکشن

غزوہ بدر کا ماڈل

جس میں درجِ ذیل امور کو اجاگر کیا گیا تھا:

- ❁ غزوہ بدر کا تفصیلی تذکرہ
- ❁ بدر کا مقام
- ❁ مسلمانوں و کافروں کے راستے کی نشاندہی
- ❁ مسلمانوں و کافروں کے کیمپوں کا مقام
- ❁ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کیمپ کے مقام کی نشاندہی
- ❁ نزولِ ملائکہ کے مقام کی نشاندہی
- ❁ بئرِ بدر
- ❁ اور مسلمانوں کی زندگی میں غزوہ بدر کی اہمیت و تاثیر اور غزوہ بدر سے حاصل ہونے والے نتائج و اسباق کا ذکر کیا گیا۔

ساتواں سیکشن

فتح مکہ
کے بعد سے حجۃ الوداع کے اختتام تک

جس میں درجِ ذیل امور کو اجاگر کیا گیا تھا:

- حقوقِ انسانیت کا پہلا جامع چارٹر ''خطبہ حجۃ الوداع''
- نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دنیاوی و اخروی خصائصِ مبارکہ
- آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ازواجِ مطہرات کا تعارف
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولادِ باسعادت کا تعارف
- اور فتح مکہ کے بعد کے غزوات کا خلاصہ

آٹھواں سیکشن

مدینہ منورہ

غزوہ احد اور غزوہ خندق پر مشتمل بڑا ماڈل

جس میں درجِ ذیل امور کو اجاگر کیا گیا تھا:

❁ دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اور حالیہ مدینہ منورہ

❁ حدود حرمِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

❁ مسجد نبوی شریف، مسجدِ قبا، مسجدِ جمعہ، مسجدِ قبلتین و دیگر مساجدِ مدینہ کے مقامات

❁ حرہ شرقیہ و غربیہ کا مقام

❁ جبلِ احد اور مدینہ کے دیگر پہاڑ

❁ مدینہ کی وادیاں ❁ صحابہ رضی اللہ عنہم کے گھر کے مقام

❁ بقیع قبرستان کا مقام ❁ احد قبرستان کا مقام

❁ غزوہ احد اور غزوہ خندق کے مقامات اور ان کی تفصیل، اسباق و نتائج وغیرہ

❁ اور اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورہ کا مقام وغیرہ

نواں سیکشن

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواتین کے لئے نصیحتیں

جس میں:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو خواتین کو نصیحتیں و وصیتیں فرمائی ہیں انہیں نکات کی صورت میں ذکر کیا گیا تھا۔

نمائش میں آنے والی خواتین کے لئے مستقل طور پر عالمہ موجود تھیں جو انہیں عقیدہ، سنت، سیرت، اخلاق و معاملات کی تعلیم دیتیں اور ان کی دینی و شرعی رہنمائی کرتی رہیں۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ماڈل

اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری لمحات اور ذکرِ تکفین و تدفین پر مشتمل پینا فلیکس بورڈز

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماڈل میں درجِ ذیل امور کو اجاگر کیا گیا تھا:

- عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد نبوی / عہدِ نبوی کی مسجدِ نبوی کی تعمیر کا طریقہ کار
- ازواجِ مطہرات و سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہن کے حجراتِ مبارکہ کے مقامات
- بابِ صدیق و علی رضی اللہ عنہما کا مقام، مسجدِ نبوی کے مخصوص ستون / اور توسیع مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مراحل وغیرہ۔

اور پینا فلیکس بورڈز میں درجِ ذیل امور کو اجاگر کیا گیا تھا:

- نبی رحمت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے آخری ہفتہ کی منظر کشی
- رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت و کیفیت، آخری ایامِ دنیا میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعمال و امت کے لیئے اہم نصیحتیں، محبوبِ ربِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات، تجہیز و تکفین اور جنازہ و تدفین وغیرہ کا بیان۔

شرکاءنمائش

اس دوروزہ نمائش میں تقریباً 15 سے 17 ہزار مردوخواتین نے بڑے جوش وخروش کے ساتھ شرکت کی۔

نمایاں شخصیات میں کراچی بھر کے معروف ومعتبر علمائے کرام، قونصل جنرل سعودی عرب کے نمائندے شیخ فائزعثمان السبیعی، بریگیڈئر شجاع باسط، سابق امیر جماعتِ اسلامی حسین محنتی سمیت دس سے زیادہ اسکولز، کالجز اور یونیورسٹیز کے اساتذہ کرام، طلباء وذمہ داران، فوج و رینجرز کے بریگیڈیئرز، ڈاکٹرز، مذہبی وسیاسی رہنما، معروف کاروباری وتاجر حضرات سمیت عوام کی بھاری تعداد نے شرکت فرمائی۔

کلمہ تشکر

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کے ذمہ داران اپنے رب کے حضور سجدہ شکر ادا کرتے ہیں کہ جس نے انہیں اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت کا دفاع اور اُن کی سیرت وتعلیمات کو اجاگر کرنے کے لئے اس کامیاب نمائش کے انعقاد کی توفیق بخشی، اور انتہائی عاجزی وخلوص سے دعا گو ہیں کہ رب تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشے، اس کے بعد سینٹر اُن تمام معاونین حضرات کا بھی تہِ دل سے مشکور ہے جنہوں نے کسی بھی طرح سے اس عظیم کام میں سینٹر کا ساتھ دیا، اور اُن تمام حضرات وخواتین کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جو اس نمائش میں تشریف لائے، حسنِ استماع کیا اور مفید مشوروں سے نوازا۔

اسٹال المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر

نمائش میں **المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر** کی جانب سے اسٹال بھی لگایا گیا تھا جہاں زائرین کے لئے سینٹر کی جانب سے تیار کردہ لٹریچرز تقسیم کیا گیا۔ اس میں المدینہ سینٹر کا تعارف، سینٹر کی جانب سے شائع ہونے والا مجلہ البیان، اسلامی تاریخی مقامات و دینی تعلیمات پر مشتمل آڈیو، ویڈیو سی ڈیز، صحابہ واہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے مابین محبت وقرابت داری پر مشتمل نقشہ جات کی صورت میں معلوماتی خوبصورت کتاب، سیرت پر جامع کتاب ''الرحیق المختوم'' اور سیرت کارڈز رکھے گئے تھے۔

اس کے علاوہ شرکاءِ نمائش میں ہزاروں کی تعداد میں دینی و دعوتی لٹریچر تقسیم کیا گیا جن میں سر فہرست سینٹر کی طرف سے خاص طور پر تیار کردہ ایک کتابچہ بعنوان ''سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، محبت، تعظیم اور اطاعت'' اور دعاؤں کی جامع کتاب ''حصن المسلم'' شامل تھیں۔

نمائش کی کوریج

سیرتِ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر مشتمل اس عظیم نمائش کو الیکٹرونک و پرنٹ میڈیا نے بھی بھرپور کوریج دی جسے مختلف ٹی وی چینلز نے اپنی نشریات میں شامل کیا۔

اور مختلف اخبارات: جنگ، امت، نوائے وقت، دنیا، اسلام، جسارت اور روزنامہ پاکستان وغیرہ نے بھرپور انداز میں خبر شائع کی۔

نمائش کی مکمل تفصیلات بمع تصاویر پوسٹرز و ماڈلز، ویڈیو کلپس، اخباری رپورٹس وغیرہ سینٹر کی ویب سائٹ: www.islamfort.com پر بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔

Daily Dunya

اسلامی تاریخ پر تصویری نمائش 17 ہزار افراد کی شرکت

کراچی (پ ر) المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کی جانب سے طارق روڈ میں اسلامی تاریخ پر مبنی نمائش منعقد ہوئی جس میں 17 ہزار سے زائد افراد نے شرکت کی۔ نمائش میں رسول کریم کے دور کے مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، مسجد نبوی، غزوہ بدر اور غزوہ احد کے ماڈلز سمیت جہازی سائز کے پینا فلیکس کے ذریعے معجزات نبوی، غزوات اور ہجرت سمیت سیرت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا۔ ریسرچ سینٹر

Daily Nawa-e-waqt

دو روزہ مقامات مقدسہ کے ماڈلز کی نمائش کا آغاز

پاکستان میں پہلی بار نمائش ہو رہی ہے ہر سال مدینہ منورہ میں ہوتی ہے

Weekly Jarrar Pakistan

کراچی: 2 روزہ سیرت النبیؐ نمائش، ہزاروں افراد کی شرکت

نبی کریمؐ کی مکی و مدنی زندگی، مختلف غزوات اور حیات مبارکہ کی تفصیلات منفرد انداز میں پیش کی گئیں

کراچی (رپورٹ: محمد نعیم) سیرت النبیؐ کے حوالے سے 2 روزہ نمائش بعنوان سیرت رحمۃ للعالمین کا انعقاد، محب اسلام ہزاروں افراد کی شرکت۔ مردوں کے علاوہ بڑی تعداد میں خواتین نے بھی شرکت کی۔ مختلف اسکولز سمیت تعلیمی اداروں کے طلباء کو خصوصی طور پر وزٹ کروایا گیا۔ جید علماء (باقی صفحہ 3 بقیہ نمبر 40)

سیرت رحمۃ للعالمین نمائش میں رکھا گیا عہد نبوی کے مدینہ منورہ کا ماڈل

غزوات، ہجرت اور حرمین کے ماڈلز میں شرکاء کی خصوصی دلچسپی

کراچی (خصوصی رپوٹر) سیرت نمائش میں آنے والے افراد غزوات، ہجرت اور حرمین کے ماڈلز خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کرتے (باقی صفحہ 3 بقیہ نمبر 27)

نمائش سے نبیؐ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی معلومات حاصل ہوئی، شرکاء

کراچی (رپورٹ: مجیع کامل) المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کی 2 روز سیرت میں شرکت کرنے والے خواتین و حضرات کا کہنا (باقی صفحہ 3 بقیہ نمبر 10)

Daily Jasarat Pakistan

رسول اکرم ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی پر مشتمل ماڈلز کی نمائش کو شہریوں کی بڑی تعداد نے دیکھا

Daily Ummat, karachi

سیرت النبیؐ اجاگر کرنے کیلئے ماڈلز کے ذریعے نمائش

15 ہزار افراد شریک

پہلی بار نبی کریمؐ کی مکی و مدنی زندگی۔ مختلف غزوات اور حیات مبارکہ کی روداد جدید انداز میں پیش کی گئی

سیرت نمائش میں غزوات نبویؐ اور مساجد کے مختلف ماڈلز، دوسری جانب المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کے امیر وقار میں شیخ عثمان صفدر تفصیلات بتا رہے ہیں

نمائش کا مقصد سیرت النبیؐ کے پیغام کو پہنچانا اور سمجھانا ہے۔ منتظمین

ڈویژن لیول پر بھی انعقاد کیا جائے گا۔ 3 سال کی محنت کے بعد نمائش ترتیب دی۔ عثمان صفدر

سیرت کے پیغام سے ہم آہنگ کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ شرکا

Daily Islam karachi

مسجد نبوی کے ماڈل اور پیپرز کے ذریعے منفرد 2 روزہ سیرت نمائش منعقد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی و مدنی زندگی، خطبہ حجۃ الوداع اور سیرت مبارکہ کے دیگر پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کے زیر اہتمام گلشن اور ڈیفنس میں بھی نمائشوں کا اہتمام کیا جائے گا، شیخ حماد چاؤلہ

Daily Jang karachi

نبی کریمؐ کی مکی اور مدنی زندگی پر مشتمل ماڈلز کی نمائش

نمائش کے ذریعے سیرت النبیؐ کو سمجھنے کیلئے نئی روایت کا آغاز کیا ہے، عثمان صفدر

کراچی (اسٹاف رپورٹر) رسول اکرم ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی پر مشتمل ماڈلز کی منفرد نمائش نے ہزاروں شہریوں کے دلوں کو نبی کائنات ﷺ کی محبت سے گرما پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا۔ اس موقع پر المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کے چیئرمین عثمان صفدر نے صحافیوں سے بات چیت کرتے ہوئے بتایا کہ اس منفرد نمائش کا انعقاد

جمشید سلطان اعوان[1]

إن الحمد لله،ونحمده، ونستعينه، ونستغفره. ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، ومن سيئات أعمالنا. من يهده الله؛ فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له. وأشهد أن لا إله إلا الله، وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله.

أمابعد:

دین اسلام ایک عمارت کی مانند ہے اوراس کے پانچ ستون ہیں جن میں سب سے پہلا ستون عقیدہ توحید ہے جو ان ستونوں میں بنیادی حیثیت کا حامل ہے جس کے لئے یہ کائنات بنائی گئی اور یہی جن وانسان کی تخلیق کا مقصد بھی ہے اس عقیدہ توحید کی معرفت انسان کے لئے اہم ترین ہے جس سے لاعلمی انسانوں کے لئے موت کی حیثیت رکھتی ہے۔

بلاشبہ اسلام کے کلمہ توحید کا پہلا جملہ عقیدہ توحید کی تعلیم دیتا ہے اوراس میں دو باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اگر ہم غور کریں تو ''لا الہ الا اللہ'' میں نفی اور اثبات پوشیدہ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی کو اپنا معبود ماننے سے پہلے تمام معبودان باطلہ کا انکار لازم ہے جو کہ شرک کی نفی ہے اسی کلمہ سے ہمیں تعلیم دی جارہی ہے کہ توحید کے اقرار کے ساتھ شرک کی تمام اقسام کا انکار بھی لازم ہے نیز جس طرح توحید کو جاننا واجب ہے اسی طرح شرک کا جاننا اوراس کا انکار بھی واجب اور لازم ہے۔ ذیل میں ہم عقیدہ توحید کے منافی اموراور توحید میں خلل واقع کرنے والے شرکیہ اعمال کا مختصراذکر کریں گے تاکہ ایک مسلمان ان کی

[1] فاضل مدینہ یونیورسٹی

روشنی میں اپنے دین کی بنیاد کو محفوظ رکھ سکے۔ وبا لله نستعين۔

دین اسلام کی بنیاد دو چیزوں پر قائم ہے

اول: یہ کہ ایک اللہ تعالی کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ اور اس عقیدہ (توحید) کی حفاظت کی جائے اور اسی کی بنیاد پر تعلقات استوار کئے جائیں۔

دوم: اللہ تعالی کی عبادت میں ہر قسم کے شرک سے بچنا چاہئے اور اس پر سختی سے قائم رہنا اور اسی بنیاد پر دشمنی وقطع تعلقی ہونی چاہئے۔

اب ملاحظہ کیجئے وہ اعمال جن سے توحید میں خرابی، بگاڑ اور خلل واقع ہوتا ہے:

❁ **کڑا پہننا یا دھاگہ باندھنا:**

کسی بھی چیز کا بنا ہوا کڑا پہننا چاہے وہ سونے، پیتل، لوہے، یا چمڑے کا ہو یا دھاگہ باندھنا، جو کسی مصیبت کو ٹالنے کے لئے یا پریشانی کو دور کرنے کے لئے پہنا گیا ہو شرکیہ عمل ہے۔

❁ **غیر شرعی جھاڑ پھونک یا تعویذ وغیرہ کا استعمال:**

بدعتی جھاڑ پھونک: ایسی جھاڑ پھونک جو مختلف قسم کے منتر پر مشتمل ہو یا ایسا کلام ہو جو سمجھ میں نہ آئے یا جس میں کسی بھی جن سے مرض کی پہچان کے لئے مدد طلب کی جائے یا جادو ٹونے کا توڑ جادو سے کیا جائے یہ سب حرام اور شرکیہ اعمال میں سے ہیں، اسی طرح ایسے تعویذ گنڈے کا استعمال جو کہ انسانوں اور حیوانوں پر باندھے، لٹکائے یا پہنائے جاتے ہیں یہ بھی شرک میں داخل ہیں اور توحید میں خلل واقع کرتے ہیں۔

ایسی پٹیاں باندھنا جن میں بدعتی کلام درج ہو یا ایسے ملفوظات تحریر ہوں جن کا قرآن وسنت میں ذکر نہ ملتا ہو تو یہ بھی شرک کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

❁ اسی طرح کوئی بھی تحریر لٹکانا، سونے یا تانبے کا ٹکڑا لٹکانا، یا گاڑی کے اندر لوہے کا ٹکڑا رکھنا جس میں اللہ تعالی کے اسماء الحسنی میں سے کوئی نام لکھا ہوا ہو یا آیۃ الکرسی لکھی ہو یا قرآن کریم اس اعتقاد سے رکھنا کہ یہ اس کی حفاظت کرے گا اور اسے ہر قسم کے شر، نظر بد وغیرہ سے محفوظ کردے گا بدعتی اعمال

میں سے ہیں اور یہ تمام اعمال عقیدہ توحید میں خلل واقع کرتے ہیں۔

❁ اس طرح ہاتھ کی شکل کا مجسم لگانا یا ایسی تصویر جو آنکھ کی صورت میں (آنکھ بنی ہوئی) ہوتو ان کا استعمال بھی جائز نہیں ہے اگر انہیں کسی نفع ونقصان کے غرض سے بنایا جائے، اللہ تعالی کے رسول ﷺ کا فرمان ہے ''جس نے کوئی چیز لٹکائی وہ اس کے سپرد کر دیا جائے گا یعنی اللہ تعالی کی نصرت و مدد شامل حال نہیں ہوگی''۔[1]

❁ **شخصی تبرک:** اس کے علاوہ جو چیز توحید کو داغدار اور کمزور بناتی ہے اس میں شخصیات سے تبرک حاصل کرنا اور انہیں مبارک سمجھتے ہوئے چھونا یا ان سے برکت طلب کرنا یا درختوں اور پتھروں سے تبرک حاصل کرنا بھی ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ''میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے نہ تو نفع دے سکتا ہے نہ ہی نقصان دے سکتا ہے اور اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے کبھی نہ چومتا''[2]

❁ **اللہ تعالی کے سوا کسی اور کے لئے جانور ذبح کرنا:** جیسے اولیاء اللہ یا جن وشیاطین کے نام پر تاکہ ان کا قرب حاصل کیا جائے یا ان سے کوئی مدد و بھلائی طلب کی جائے یا کسی آفت سے بچا جا سکے تو یہ بھی توحید کے منافی امور میں سے ہے بلکہ شرک اکبر ہے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[لَعَنَ اللَّهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللَّه]

ترجمہ: اللہ تعالی کی لعنت ہے اس پر جس نے غیر اللہ کے لئے ذبح کیا ہو''[3]

اور جیسے غیر اللہ کے نام کا ذبح کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح ایسا مقام جہاں کسی غیر کے نام پر ذبح کیا جاتا ہو وہاں بھی اللہ تعالی کے نام پر ذبح کرنا جائز نہیں ہے چاہے اس کی نیت اللہ تعالی کے نام پر ذبح کرنے کی ہی کیوں نہ ہو اور یہ شرک کا باب بند رکھنے کے لئے ضروری ہے۔

---

[1] جامع الترمذي :كتاب الطب ،باب ما جاء في كراهية التعليق

[2] صحيح بخاري:كتاب الحج،باب ما جاء في ذكر الحجر الأسود

[3] مسلم :كتاب الأضاحي ،باب تحريم الذبح لغير الله و لعن فاعله

حدیث میں آتا ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص نے یہ نذر مانی کہ وہ مقامِ بوانہ میں ایک اونٹ ذبح کرے گا۔ وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے بوانہ میں ایک اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی ہے۔ آپ نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ کیا بوانہ میں زمانہ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا جس کی وہاں پوجا کی جاتی تھی؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں پھر آپ نے پوچھا کیا وہاں کفار کا کوئی میلہ لگتا تھا؟ عرض کیا نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ تو اپنی نذر پوری کر کیونکہ گناہ میں نذر کا پورا کرنا جائز نہیں ہے اور اس چیز میں نذر لازم نہیں آتی جس میں انسان کا کوئی اختیار نہ ہو۔ [1]

❁ **غیر اللہ کی نذر:** اللہ تعالی کے سوا کسی اور کی نذر ماننا بھی توحید کے منافی امور میں سے ہے کیونکہ نذر بھی ایک عبادت ہے، اور عبادت کا اللہ تعالی کے سوا کسی اور کے لئے صرف کیا جانا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ [آل عمران: 35]

ترجمہ: اے میرے پروردگار! میں نے منت مانی ہے کہ جو کچھ میرے بطن میں ہے، اسے میں نے تیرے لیے وقف کردیا سو میری اس منت کو قبول فرما۔ بلاشبہ تو ہر ایک کی سننے والا اور جاننے والا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا﴾ [الإنسان: 7]

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنی نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی آفت ہر سو پھیلی ہوئی ہوگی۔

❁ **غیر اللہ سے مدد طلب کرنا** جسے عربی میں ''استعانت'' کہا جاتا ہے اور پناہ طلب کرنا جسے عربی میں ''استعاذۃ'' کہا جاتا ہے: اسی طرح غیر اللہ سے مدد طلب کرنا اور پناہ طلب کرنا توحید کے منافی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''جب مانگو تو اللہ تعالی سے مانگو اور اگر مدد طلب کرو تو صرف اسی سے مدد طلب کرو'' [2]

---

[1] ابو داود: كتاب الأيمان و النذور، باب ما يؤمر به من الوفاء بالنذر

[2] جامع الترمذي: كتاب صفة القيامة و الرقائق و الورع، باب ما جاء في صفة الأواني و الحوض

❁ **اولیاء اللہ کی شان میں غلو کرنا** (یعنی حد سے بڑھ جانا) توحید میں خلل واقع کرنے والے اعمال میں سے اولیاء اللہ، صالحین کی تعظیم وتعریف اور ان کی قدر ومنزلت کو بڑھا چڑھا کر انہیں انبیاء اور رسولوں کے مرتبہ تک پہنچا دینا اور انہیں غلطیوں سے معصوم سمجھنا بھی ہے کیونکہ یہ افعال توحید کی بنیادوں کو کمزور کرتے ہیں اور اکثر شرک اکبر کا سبب بنتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "میری ذات کو اتنا نہ بڑھاؤ جتنا عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا ہے میں تو محض اللہ کا بندہ ہوں تو تم بھی یہی کہو کہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول"۔ [1]

ایک اور جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم دین میں غلو (حد سے تجاوز کرنے) سے بچنا کیونکہ تم سے قبل کی امتیں دین میں غلو (شدت) اختیار کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئیں"۔ [2]

❁ **قبروں کا طواف:** قبروں اور مقبروں کا طواف کرنا بھی شرک میں سے ہے اور قبروں کے پاس نماز پڑھنا حرام ہے جو شرک کی طرف ایک وسیلہ ہے لھذا اگر ایسا کرنا حرام ہے تو پھر سوچئے کہ قبر والے کے لئے نماز پڑھنا اور اس کی عبادت کرنا کتنا بڑا جرم ہوگا؟ اللہ کی پناہ!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: "آگاہ ہو جاؤ کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے نبیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا میں تمہیں اس سے روکتا ہوں" [3]

اسی لئے توحید کی حمایت وحفاظت کے لئے قبروں پر عمارت بنانا، مزار بنانا یا قبہ بنانے سے منع کیا گیا ہے اور قبرستان میں مساجد بنانا اور قبروں کو پختہ کرنا حرام قرار دیا ہے۔ ابو ہیاج اسدی سے روایت ہے کہ مجھے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا میں تجھے اس کام کے لئے نہ بھیجوں جس کام کے لئے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا تھا کہ تو کسی تصویر کو مٹائے بغیر نہ چھوڑ اور نہ کسی بلند قبر کو

---

[1] بخاري:كتاب أحاديث الأنبياء باب قول الله "واذكر في الكتاب مريم...."

[2] سنن النسائي:كتاب الحج،باب النقاط الحصى

[3] صحيح مسلم:كتاب المساجد،باب النهي عن بناء المساجد على القبور.....

برابر کئے بغیر نہ چھوڑ[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک گرجے کا ذکر کیا، جو انہوں نے حبشہ کی سرزمین میں دیکھا تھا، اس کو ماریا کہتے تھے، انہوں نے جو تصویریں اس میں دیکھیں تھیں، آپ سے بیان کیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ جب ان میں کوئی ایک بندہ یا (یہ فرمایا کہ) کوئی نیک مرد فوت ہوجاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنادیتے ہیں اور اس میں ان کی مورتیاں اور تصویریں بنادیتے ہیں، یہ لوگ اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں''۔[2]

❁ **جادوٹونہ، کہانت کو اپنانا:** توحید کے خلاف امور میں جادوٹونہ اور کاہن و عامل اور نجومیوں وغیرہ کے پاس جانا بھی شامل ہے کیونکہ تمام جادوگر اور کاہن کفریہ فعل کے مرتکب ہوتے ہیں اس لئے ان کے پاس جانا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے اور ان سے سوال کرنا یا ان کی تصدیق کرنا بھی کفر ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص گرہ ڈال کر اس میں پھونک مارے (جس طرح سے کہ جادوگر کرتے ہیں) تو اس نے جادو کیا اور کسی نے جادو کیا تو وہ شخص مشرک ہوگیا اور جس نے گلے میں کچھ لٹکایا تو وہ اس پر چھوڑ دیا جائے گا یعنی خداوند قدوس اس کی حفاظت نہیں فرمائے گا''۔[3]

ایک اور حدیث ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کاہنوں کے پاس (آئندہ کی باتیں پوچھنے کے لیے) جائے، اور ان کے کہے کی تصدیق بھی کرے تو بے شک وہ اس چیز سے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی گئی ہے بری (منکر) ہے۔''[4]

❁ **توہم پرستی:** توحید کے منافی امور میں سے ایک توہم پرستی بھی ہے جو کہ بعض اوقات چرند پرند یا دنوں

---

[1] مسلم :باب الأمر في تسوية القبر

[2] بخاري :كتاب الصلاة،باب الصلاة في البيعة

[3] سنن النسائي :كتاب التحريم الدم،باب الحكم في السحرة

[4] سنن أبي داود :كتاب الطب، باب في الكاهن

اور مہینوں یا کسی شخص کو منحوس یا نقصان کا ذریعہ سمجھنا ہے جو کہ سراسر حرام اور ناجائز ہے۔تو ہم پرستی بھی شرک ہی ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''مرض کا ایک سے دوسرے کو لگنا،شگون لینا، ہامہ (یعنی الو) اور صفر کوئی چیز نہیں ہے'' (یعنی انسانی زندگی میں اثر ڈالنے کے حوالے سے ان کی کوئی حیثیت نہیں)۔ [1]

اور مسند احمد اور ابو دواود میں مروی حدیث ہے۔عبداللہ بن مسعود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ''شگون لینا شرک ہے تین مرتبہ یہ فرمایا، اور فرمایا کہ ہم میں سے کوئی نہیں ہے مگر یہ کہ اسے وہم پیش آتا ہے لیکن اللہ تعالی اسے توکل کی وجہ سے دور کر دیتے ہیں''۔ [2]

❁ **محض اسباب پر ہی بھروسہ کرنا:** اسباب پر ہی مکمل بھروسہ رکھنا بھی توحید کے منافی ہے جیسے علاج کے لئے طبیب، دوا یا وظائف وغیرہ پر توکل کرنا اور اللہ تعالی پر بھروسہ نہ رکھنا، جب کہ شریعت نے اسباب اختیار کرنے کے ساتھ اپنے تمام معاملات میں اللہ تعالی کے ساتھ تعلق اور توکل کرنے کو ضروری قرار دیا ہے جو کہ عین توحید ہے۔توکل اللہ تعالی پر اعتماد کا نام ہے جس کے ذریعے انسان خیر کو طلب کرتا ہے اور شر سے بچنا چاہتا ہے بشرطیکہ اس نے اپنے معاملات میں تمام اسباب جس کی شریعت نے اجازت دی ہے انہیں اختیار کیا ہو۔جس شخص کا اکثر توکل اسباب محض پر ہی ہو اس نے اللہ تعالی پر توکل کے حق کو ادا نہیں کیا کیونکہ اس نے تمام تر بھروسہ اپنے اسباب پر ہی کر لیا جو کہ عقیدہ توحید کے منافی ہے اور جس شخص نے اسباب کو ترک کر کے تمام تر اعتماد اللہ تعالی پر کر لیا تو اس نے اللہ تعالی کی حکمت کو نظر انداز کر لیا کیونکہ اللہ تعالی نے ہر شئے کے لئے اسباب متعین کئے ہیں۔اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص اولاد کے حصول کے لئے اللہ تعالی پر اعتماد کرے مگر وہ شادی نہ کرے۔اللہ تعالی کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالی پر سب سے زیادہ بھروسہ کرنے والے تھے مگر وہ اسباب بھی اختیار کرتے جب

---

[1] صحيح بخاري:كتاب الطب،باب لاهامة

[2] سنن أبي داود:كتاب الطب،باب الطيرة

بھی سفر کرتے زادراہ بھی اختیار فرماتے، جنگ کے لئے نکلتے تو درع بھی زیب تن فرماتے۔[1]

❁ **نجومیت بھی توحید کے منافی امور میں سے ہے:** ستاروں کو مستقبل کی معرفت کے لئے استعمال کرنا یا غیب کے علم کا دعوی کرنا شرکیہ اعمال میں سے ہے۔

❁ **ستاروں سے بارش طلب کرنا:** اسی طرح ستاروں سے بارش طلب کرنا یا موسم میں تغیر کا اختیار ستاروں کو دینا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ بارش کے برسنے اور روکنے میں ستاروں کا اختیار ہے، یہ شرکیہ عمل ہے، کیونکہ بارش برسانے اور روکنے والا اللہ تعالی ہی ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ نے فرمایا میرے بندوں میں سے کچھ نے مجھ پر ایمان کی حالت میں صبح کی اور کچھ نے میرے ساتھ کفر کی حالت میں صبح کی پس جس نے کہا کہ ہم پر اللہ کے فضل سے اور اس کی رحمت کی وجہ سے بارش ہوئی تو وہ مجھ پر ایمان رکھنے والے اور ستاروں کا انکار کرنے والے ہیں جس شخص نے کہا کہ ہم پر فلاں فلاں ستارے کی وجہ بارش برسائی گئی ہے تو اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لایا''۔[2]

❁ **اعمال القلوب کو غیر اللہ کے لئے بجالانا:** توحید کے منافی امور میں سے کسی بھی قلبی عبادت کو غیر اللہ کے لئے صرف کرنا، مثال کے طور پر محبت مطلق[3] یا خوف مطلق[4]، توکل[5] رجاء[6] خشوع وخضوع[7] وغیرہ مخلوقات کے لئے صرف کرنا جبکہ یہ حق صرف اللہ تعالی کے لئے خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿ایاك نعبد و إیاك نستعین﴾ [الفاتحۃ:4] ترجمہ: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

❁ **اللہ کی رحمت سے مایوسی:** اللہ تعالی کے عذاب سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھنا بھی توحید کے منافی امور میں

---

[1] مسند احمد۔ابو داود :کتاب الجهاد ،باب فی لبس الادرع

[2] بخاري :کتاب الأذان،باب یستقبل الإمام الناس إذا صلي. ومسلم :کتاب الإیمان باب بیان کفر من قال مطرنا بالنوء

[3] دیکھئے تفسیر سورة البقرة :آیت 165

[4] دیکھئے تفسیر سورة ال عمران :آیت 175

[5] دیکھئے تفسیر سورة المائدہ آیت :23 اور سورة الانفال آیت :2

[6] دیکھئے تفسیر سورة الکهف آیت :110، [7] دیکھئے تفسیر سورة الانبیاء آیت :90

سے ہے اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ﴾ [الأعراف: 99]

ترجمہ: تو کیا یہ لوگ بے خوف ہوگئے اللہ کی چال (اور اس کی پکڑ) سے؟ سو اللہ کی چال (اور اس کی پکڑ) سے بے خوف نہیں ہوتے، مگر وہی لوگ جو خسارہ اٹھانے والے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالی کی رحمت سے نا امیدی بھی توحید میں خلل کا باعث ہے اللہ تعالی کا فرمان ہے''

﴿وَلَا تَيْأَسُوا مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ﴾ [يوسف: 87]

ترجمہ: مایوس (و نا امید) مت ہو تم اللہ کی رحمت سے، کہ اللہ کی رحمت سے مایوس اور (نا امید) تو صرف کافر لوگ ہی ہوا کرتے ہیں، کیونکہ انسان کو خوف اور رحمت کی امید کے درمیان رہنا چاہئے۔

❁ **اللہ تعالی کی تقدیر پر صبر نہ کرنا** بھی توحید کے منافی امور میں سے ایک ہے جیسا کہ بعض لوگ غم والم کے اوقات میں یا مصائب ومشکلات میں نوحہ کرتے ہیں اور اور اپنے آپ کو پیٹتے ہیں یا یہ جملے کہتے ہیں کہ ''اللہ نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ یا قدرت نے مجھ پر ظلم کیا ہے وغیرہ، العیاذ باللہ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جس نے اپنے چہرے کو پیٹا اور گریبان چاک کیا اور جاہلیت کی سی پکار پکاری۔[1]

❁ **ریاکاری اور شہرت کی طلب:** بھی توحید کے منافی ہے یا کوئی شخص نیک اعمال سے دنیا کا طلب گار ہو یہ بھی شرکیہ اعمال میں سے ہے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر کے باہر سے برآمد ہوئے ہم دجال کا ذکر کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا میں تم کو وہ بات نہ بتلاؤں میرے نزدیک تم پر جس کا ڈر دجال سے زیادہ ہے۔ ہم نے عرض کیا بتلائیے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے فرمایا ''پوشیدہ شرک اور وہ یہ ہے کوئی شخص کسی آدمی کو دیکھ کر اپنی نماز کو خوبصورت بنائے''۔[2]

❁ **علماء وحکام کی اندھی اطاعت:** حلال اشیاء کی حرمت اور حرام اشیاء کی حلت میں علماء اور امراء کی اطاعت

---

[1] صحيح بخاري: كتاب الجنائز، باب ليس منا من شق الجيوب

[2] سنن ابن ماجه: كتاب الزهد، باب الرياء و السمعة

بھی توحید کے منافی امور میں سے ہے کیونکہ اس اطاعت میں شرک کا پہلو موجود ہے۔ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عدی اس بت کو اپنے سے دور کر دو پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ براءۃ کی یہ آیات پڑھتے ہوئے سنا:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (التوبہ: 31)

ترجمہ: انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لوگ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے لیکن اگر وہ (علماء اور درویش) ان کے لئے کوئی چیز حلال قرار دیتے تو وہ بھی اسے حلال سمجھتے اور اسی طرح ان کی طرف سے حرام کی گئی چیز کو حرام سمجھتے۔ [1]

توحید کے منافی امور میں سے یوں کہنا کہ ''جو آپ چاہیں اور اللہ چاہے''، یا یہ جملہ کہنا کہ ''اگر اللہ اور آپ نہ ہوتے''، یا یوں کہنا کہ ''اللہ اور فلاں پر میں نے توکل کیا'' کیونکہ یہ جملہ یا تو شرک اکبر ہے یا شرک اصغر ہے اگر کہنے والے کا اعتقاد یہ ہو کہ اللہ تعالی اور جس کو اس نے یہ سمجھا کہ دونوں قدرت ومشیئت میں برابر ہیں تو یہ شرک اکبر ہے اور اگر اس کا اعتقاد یہ نہ ہو تو ان الفاظ کی وجہ سے شرک اصغر ہے۔ سنن نسائی میں روایت ہے کہ ''قتیلہ'' قبیلہ جہینہ کی ایک خاتون روایت نقل کرتی ہیں کہ ایک یہودی ایک دن خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ تم اللہ تعالی کے ساتھ شریک مقرر کرتے ہو اور کہتے ہو کہ آپ چاہیں (یعنی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اللہ چاہے (تو یہ کام ہو جائے گا) اور تم لوگ کہتے ہو یعنی قسم ہے خانہ کعبہ کی۔

پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا لوگوں کو کہ جب تم قسم کھانے کا ارادہ کرو تو تم لوگ کہا کرو یعنی قسم ہے خانہ کعبہ کے پروردگار کی اور اگر کوئی شخص کہنا چاہے تو ماشاءاللہ کہے۔ اس کے بعد کہا کرے اور لفظ [شئت] نہ کہا کرے۔ [2]

---

[1] جامع الترمذي: كتاب تفسير القرآن و من سورة التوبة وقال هذا حديث غريب

[2] سنن النسائي: كتاب الأيمان و النذور، باب الحلف بالكعبة

❁ **زمانے اور وقت کو گالی دینا:** یا مہینوں اور ایام کو برا کہنا بھی توحید کے منافی ہے۔مثال کے طور پر محرم الحرام کو غم کا مہینہ سمجھنا اور صفر کے مہینے کو منحوس ماننا یہ تمام اعمال شریعت کے مخالف ہیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالی نے فرمایا کہ ابن آدم مجھے تکلیف پہنچاتا ہے، زمانہ کو گالی دیتا ہے، حالانکہ زمانہ تو میں ہی ہوں میرے ہی ہاتھ میں تمام امور ہیں میں رات اور دن کو گردش دیتا ہوں۔[1]

اسی طرح ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی زمانہ کو برا بھلا نہ کہے کیونکہ اللہ تعالی ہی زمانہ ہے۔[2]

❁ **دین کا مذاق اڑانا:** اسی طرح قرآن وسنت انبیاء ورسل، دین اور اہل علم وصالحین کا مذاق اڑانا بھی توحید کے منافی امور میں سے ہے۔ کیونکہ یہ دین اور شریعت کے حاملین میں سے ہیں۔مثال کے طور پر داڑھی کا مذاق اڑانا اور کپڑوں کا ٹخنوں سے اونچا رکھنا یا مسواک وغیرہ کا استہزاء کرنا۔

❁ **نامناسب معنیٰ ومفہوم یا شرکیہ نام رکھنا:** مثلاً کسی کا نام یوں رکھنا ''عبدالنبی''، عبدالکعبہ یا عبدالحسین تو یہ ناجائز ہے کیونکہ عبودیت صرف اللہ تعالی کے لئے خاص ہے جیسے ''عبداللہ اور عبدالرحمن'' اللہ تعالی کے پسندیدہ ناموں میں سے ہیں۔

❁ **کسی بھی ذی روح کی تصویر کی تعظیم وتوقیر کرنا** اور اسے دیوار پر لٹکانا یا مجالس میں رکھنا اور اس سے کسی قسم کا اعتقاد رکھنا بھی توحید کے منافی امور میں سے ہے۔

❁ **توحید کے منافی امور میں سے، صلیب کی تصویر بنانا** یا اسے لٹکانا اور اگر کسی چیز پر لگی ہو تو اسے اعتقاداً مٹانے سے گریز کرنا، اس لئے کہ اسے توڑنا اور مٹانا واجبات میں سے ہے۔

❁ **غیر اللہ کا حکم:** توحید کے منافی امور میں سے اللہ تعالی کے حکم کو چھوڑ کر کسی اور کا حکم نافذ کیا جائے اور اللہ تعالی کے قوانین پر کسی غیر کے قوانین کو اس اعتقاد کے ساتھ نافذ کیا جائے کہ یہ قانون اللہ تعالی کے قانون سے بہتر ہے یا اس کے برابر ہے اور یہ زمانے کے لئے درست ہے اور اس پر راضی رہنا بھی اسی

---

[1] بخاري :كتاب أحاديث الأنبياء باب قول الله "واذكر في الكتاب مريم...."

[2] مسلم :الألفاظ من الأدب،باب النهي عن سب الدهر

حکم میں آتا ہے۔

❁ **غیر اللہ کی قسم کھانا:** بھی توحید کے منافی ہے مثال کے طور پر انبیاء کی قسم کھانا یا صالحین کے نام کی قسم کھانا اور بیت اللہ کی قسم یا اولاد کی قسم وغیرہ بھی شرک کے حکم میں آتا ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو کعبہ کی قسم کھاتے ہوئے سنا تو فرمایا غیر اللہ کی قسم مت کھاؤ۔ بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا[1]۔

آخر میں شرک کی اقسام اور ان کا حکم ملاحظہ فرمائیں

شرک کی اقسام

❁ **شرک کی دو اقسام ہیں:**

1. شرک اکبر: جس کے ارتکاب سے انسان ملت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔
2. شرک اصغر: جس کے ارتکاب سے انسان ملت اسلام سے خارج نہیں ہوتا لیکن یہ گناہ کبیرہ میں سے ہے اور شرک اکبر میں جانے کا ذریعہ ہے۔

پہلی قسم: شرک اکبر

جسے شارع الحکیم نے شرک کہا ہے جس کے ارتکاب سے انسان دین اسلام سے خارج قرار پاتا ہے مثال کے طور پر کسی قسم کی عبادت اللہ تعالی کے سوا کسی اور کے لئے کی جائے جیسے نماز غیر اللہ کے لئے پڑھی جائے یا کسی غیر کے نام پر ذبح کیا جائے یا کسی اور سے دعا کی جائے مثلا کوئی کسی صاحب قبر والے سے دعا مانگے یا کسی غائب کو اپنی مدد کے لئے پکارے کہ وہ اس کی مدد اس مشکل میں کرے جس کی قدرت اللہ تعالی کے سوا کوئی نہ رکھتا ہو۔

---

[1] جامع الترمذي:كتاب الأيمان و النذور،باب ما جاء في كراهية الحلف بغيرالله

دوسری قسم: شرک اصغر

ہر وہ قول وعمل جس کو اللہ تعالی نے شرکیہ وصف قرار دیا ہو اور وہ شرک اکبر میں مبتلا ہونے کا باعث بنے وہ شرک اصغر کہلاتا ہے، لیکن یہ شرک انسان کو ملت اسلام سے خارج نہیں کرتا مثلاً غیر اللہ کے نام کی قسم کھانا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ''جس نے غیر اللہ کے نام کی قسم کھائی پس اس نے کفر کیا یا شرک کیا''۔[1] غیر اللہ کے نام کی قسم اٹھانے والے کا اعتقاد اگر یہ نہیں کہ جس کی قسم وہ اٹھا رہا ہے اس کی عظمت وقدرت اللہ تعالی کے مثل نہیں تو وہ شرک اصغر کا مرتکب ٹھہرتا ہے چاہے جس کی قسم کھائی جارہی ہے وہ کتنا ہی بلند قدر ومنزلت کا حامل ہو، اسی طرح کسی بھی نبی یا رسول، رئیس، وزیر وغیرہ یا کعبۃ اللہ یا جبریل ومیکائیل علیہما السلام کی قسم اٹھانا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ شرک اصغر ہے۔

❀ اس کے علاوہ شرک کی اقسام میں سے ایک ریا کاری بھی ہے مثلاً انسان اللہ تعالی کے لئے نماز میں کھڑا ہو مگر وہ اپنی نماز میں خوبصورتی اور خشوع وخضوع اس لئے ظاہر کرے کہ کوئی اور شخص اسے دیکھ رہا ہے تو یہ نماز میں خوبصورتی لوگوں کو دکھاوے کے لئے شمار ہوگی یہ عمل بھی شرک اصغر کہلاتا ہے، کیونکہ یہاں اس نے عبادت اللہ تعالی کے لئے کی ہے لیکن اس عبادت میں اس نے ریا کاری شامل کر دی ہے لوگو ں کو دکھانے کے لئے، اسی طرح کوئی شخص اللہ تعالی کی راہ میں اس لئے خرچ کرتا ہے کہ لوگ اسے سخی کہیں اور اس کی تعریف کریں تو یہ بھی شرک اصغر ہی ہے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں عقیدہ توحید پر موت عطا فرمائے اور ہر قسم کے شرک سے محفوظ فرمائے آمین

وما ذلک علی اللہ بعزیز ---و صلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وعلی الہ و صحبہ وسلم

---

[1] جامع الترمذي:كتاب الأيمان و النذور،باب ما جاء في كراهية الحلف بغيرالله

راوئ اسلام
سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ

حافظ عبد العزیز [1]
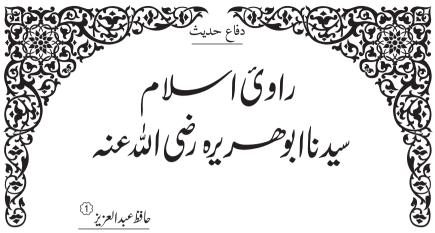
اہل اسلام اس لحاظ سے دیگر تمام اہل مذاہب سے منفرد و ممتاز ہیں کہ دین رحمت کی حفاظت کا ذمہ اللہ رب العالمین نے خود لیا ہے جس کی بدولت یہ دین آج بھی اسی طرح محفوظ ہے جیسا کہ چودہ صدیاں پیشتر مکہ مکرمہ میں نبی ھادی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ نازل ہوا تھا۔

اللہ رب العالمین نے ہر دور میں ایسے افراد پیدا کیے جو اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس دینِ حنیف کی تبلیغ اور نشر واشاعت کے لئے ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے خلوص کی بدولت ان کے لئے ایسے اسباب و وسائل پیدا کر دیے جس کی وجہ سے جہاں ان کے لئے حصول علم کے ذرائع آسان تر ہو گئے سو وہیں انہیں ایسا علمی و تعلیمی اور تدریسی ماحول، بہترین رفقاء اور ایسے قابل فخر تلامذہ میسّر آئے جو اللہ کے فضل و کرم سے ان کے گرانقدر علمی سرمائے کی حفاظت کا سبب بنے۔

زیر نظر مضمون میں ان ہی عظیم شخصیات میں سے ایک شخصیت راوی اسلام سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمات جلیلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے انہیں خراج تحسین پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

قبول اِسلام

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات سے پہلے ہی طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پہ اسلام قبول کر چکے تھے۔ [2]

---

[1] مدرس جامعہ سلفیہ، فیصل آباد

[2] صور من حیاۃ الصحابۃ: ص: 510

ہماری اس بات کی تصدیق مختلف روایات سے ہوتی ہے جن میں سے دو مندرجہ ذیل ہیں۔

1 جناب ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کا خود اپنا بیان ہے کہ جب میں ہجرت کر کے مدینہ آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر کی طرف روانہ ہو چکے تھے تو (مدینہ پہنچ کر) میں نے فجر کی نماز سباع بن عرفطۃ رضی اللہ عنہ کی امامت میں ادا کی۔[1]

نماز کی ادائیگی کے بعد ابوھریرہ رضی اللہ عنہ۔ سباع بن عرفطۃ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے جنہوں نے انہیں زادِ راہ دیا جس کے بعد سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں خیبر میں جا کر حاضری دی۔[2]

یہ روایت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نہ صرف طفیل بن عمر والدوسی رضی اللہ عنہ کی دعوت پہ مسلمان ہو چکے تھے بلکہ اس بات سے بھی بخوبی آگاہ اور واقف تھے کہ دین اسلام کے دوسرے بنیادی رکن (نماز) کی ادائیگی کس طرح کی جاتی ہے۔

1 جناب ابوھریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ طفیل بن عمر والدوسی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یقینا دوس قبیلہ والے ہلاک ہو گئے ہیں (کیونکہ) انھوں نے نافرمانی کی اور اسلام قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔ لہٰذا آپ ان پر بددعا کیجئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

[اَللّٰھُمَّ اھدِ دوساوائت بھم][3]

ترجمہ: یا اللہ دوس قبیلے والوں کو ہدایت دے اور ان کو (میرے پاس مسلمان بنا کر) لے آ۔

حافظ ابن حجر اس قصے کے دیگر طرق ذکر کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

هذا يدلّ على تقدّم اسلامه[4]

ترجمہ: یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام ہیں۔

---

[1] سیرأعلام النبلاء:2/589

[2] زادالمعاد 282/2

[3] صحیح بخاري:کتاب الجهاد،باب الدعاء للمشرکین بالهدی لیتألفهم

[4] فتح الباري:2/ 127

نام ونسب:

آپ کے نام کے متعلق تو بیالیس اقوال منقول ہیں۔[1] البتہ زیادہ راجح عبدالرحمن بن صخر الدوسی ہے۔[2]
اورآپ کی والدہ محترمہ کا نام میمونہ بنت صبیح مذکور ہے۔[3]

کنیت:

آپ نے بچپن میں بلی پال رکھی تھی، دن بھر اسے اپنے پاس رکھتے اور رات کو اسے درخت پہ رکھ دیتے چونکہ آپ بلی کے ساتھ کھیلا کرتے تھے اس لیے آپ کے گھر والوں نے آپ کو پیار سے ابوھریرہ کہنا شروع کر دیا۔[4]

لوگ تو آپ کو ابوھریرہ کے نام سے مخاطب کرتے تھے لیکن آپ کو یہ پسند تھا کہ لوگ آپ کو ابوھر کہا کریں کیونکہ اس نام سے نبی کریم ﷺ نے انہیں پکارا تھا اسی لیے آپ کہا کرتے تھے۔

لا تکنونی ابا هریره فانّ النّبی ﷺ کنّانی اباهروالذکر خیرمن الأنثی ۔[5]

ترجمہ: مجھے ابوھریرہ کی کنیت سے مت پکارا کرو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری کنیت ابوھر رکھی ہے ویسے بھی مذکر، مؤنث سے بہتر ہے۔

قبول اسلام کے بعد

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کو اس بات کا مکمل احساس تھا کہ دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری کس قدر سعادت کی بات ہے اور ساتھ ساتھ یہ احساسِ زیاں بھی تھا کہ رحمۃ اللعالمین کے حضور اتنے عرصے بعد کی حاضری کے سبب وہ کس قدر روایات سے محروم رہ گئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے دنیا ومافیھا سے بے پرواہ

---

[1] الاصابة 7/200

[2] سیرأعلام النبلاء:2/587

[3] سیرأعلام النبلاء:2/587

[4] جامع ترمذي :کتاب الدعوات ,أبواب المناقب باب مناقب أبي هريره رضي الله عنه

[5] سیرأعلام النبلاء:2/587

ہو کر اصحابِ صفہ میں شمولیت اختیار کر لی اور مسلسل لگن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتنے مقرب ہو گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اہلِ صفہ کی ذمہ داری سونپ دی اور جب بھی اصحابِ صفہ کو بلایا جانا مقصود ہوتا تو ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کو ان کے مراتب ومنازل سے واقفیت کی بنا پر حکم ہوا کرتا تھا کہ اصحاب صفہ کو جمع کریں۔ [1]

تحصیل علم کے علاوہ جناب ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے متعدد غزوات میں بھی شرکت کی۔آپ کا بیان ہے میں جن غزوات میں شریک رہا،غزوہ خیبر کے علاوہ ان سب میں مجھے مال غنیمت ملا کیونکہ غزوہ خیبر کا مال حدیبیہ والوں کے لیے مخصوص تھا۔

علمی سفر

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کوئی ایسا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے جو علم میں اضافے کا سبب ہو جہاں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملازمت اختیار کی ،شب وروز آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری دے دے کر اپنے قلب وجگر کو نور ایمان اور علم قرآن وسنت سے منور کرتے جہاں ہمہ وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصاحبت،سفر وحضر،حج غزوات میں شرکت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس نشینی سے جناب ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کے علم میں گرانقدر اضافہ ہوا وہیں ان کا بے دھڑک سوالات کرنا بھی ان کی علمی پختگی اور رسوخ کا باعث بنا۔

ذیل میں ان روایات کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے تذکرے سے بخوبی واضح ہوگا کہ ابوھریرہ رضی اللہ عنہ علم نبوی کے حصول کے لیے کس قدر طلب وجستجو کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔

1: ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روز قیامت آپ کی شفاعت سے سب سے زیادہ سعادت کسے ملے گی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

[لقد ظننت یا ابا هريرةان لا يسألني عن هذا الحديث أحد أ وّل منک لما رأيت من حرصک على الحديث] [2]

ترجمہ: ابوھریرہ (رضی اللہ عنہ) مجھے یقین تھا کہ تم سے پہلے کوئی اس کے بارے میں مجھ سے دریافت نہیں کریگا۔ کیونکہ میں نے حدیث کے متعلق تمہاری حرص دیکھ لی تھی۔

---

[1] حلية الأولياء 376/1

[2] صحيح بخاري :كتاب العلم ,باب الحرص على الحديث

علامہ ابن ابی جمرۃ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں:

[ولا يظهرله عليه السلام منه الحرص على الحديث الا اذاكان يلتفت اليه على الدوام ويراعى اقواله وافعاله][1]

ترجمہ: ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی حرص حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تبھی ظاہر ہوسکتی ہے جبکہ ابوھریرہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب متوجہ رہتے ہوں اور آپ کے اقوال وافعال کا بغور مشاھدہ کرتے ہوں گے۔

2: سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جب بھی آپ کو دیکھتا ہوں میرا جی خوش ہوجاتا اور آنکھوں میں ٹھنڈک پڑ جاتی ہے آپ مجھے ہر چیز کا بتایئے؟ تو آپ نے فرمایا: ہر شے پانی سے پیدا کی گئی ہے۔

میں نے عرض کی اے اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے ایسے کام کا بتائیں جب میں اس پر عمل کروں تو جنت میں داخلہ مل جائے۔ آپ نے فرمایا: سلام عام کرو، (لوگوں کو) کھانا کھلاؤ، رشتے داریاں جوڑو اور جب لوگ سو جائیں تو رات کو قیام کیا کرو پھر تم جنت میں سلامتی سے داخل ہو جاؤ گے۔[2]

اس روایت سے مندرجہ ذیل مسائل ثابت ہوئے:

1. سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا چین اور قرار ہے۔
2. سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ جنت کے کس قدر طلبگار ہیں اور دینی علوم کے حصول کے کس قدر خواہشمند اور متمنی تھے۔
3. سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت میں سے کون ہے جو یہ پانچ عادات حاصل کرکے ان پر خود عمل کرے یا کسی ایسے شخص کو سکھا دے جو ان پر عمل کرے؟ سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا: میں اے اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؛ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ تھاما اور اسی پر شمار کیا اور فرمایا: حرام کردہ چیزوں سے بچو سب سے زیادہ عبادت گزار بن

---

[1] بهجة النفوس:133/1

[2] مسند احمد 8/حدیث:59:6919

جاؤ گے، جو اللہ نے تمہاری قسمت میں لکھ دیا اس پر راضی ہو جاؤ سب سے مالدار ہو جاؤ گے، اپنے پڑوسی سے اچھا سلوک کرو تم مؤمن بن جاؤ گے، لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو تم مسلمان ہو جاؤ گے اور زیادہ مت ہنسو کیونکہ زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے"۔[1]

اس حدیث سے مندرجہ بالا امور واضح ہوئے:

1 حصول علم کے لیے سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی حرص کس قدر زیادہ ہے کہ آپ نہ صرف ہمہ وقت علم وعمل کے لیے تیار رہتے ہیں بلکہ اپنی ذات کو تبلیغ علم کے لیے بھی وقف کرتے ہیں۔

2: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے کمال محبت وشفقت کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھام کے انہیں تعلیم دی تا کہ اچھی طرح متوجہ ہو کر اس حدیث کو سنیں۔

ڈاکٹر محمد عجاج الخطیب فرماتے ہیں: حقیقت میں ہم نے ملاحظہ کیا ہے کہ یہ حدیث سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ پہ مکمل منطبق ہوتی ہے۔[2]

مرض موت میں وصیت

آخری لمحات میں انسان ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتا ہے مگر سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ سانسوں کی ڈوری ٹوٹ رہی ہے اور آپ حدیث نبوی پہ عمل کی تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

[لا تضربو اعلی قبری فسطاطاولا تتّبعونی بنار فاذاحملتمونی فاسرعوافان اکن صالحا تأتو ن بی الی ربیّ وان أکن غیر ذ لک فانما ھوشیء تطر حونه عن رقابکم][3]

ترجمہ: میری قبر پہ خیمہ مت گھاڑنا اور نہ میرے جنازے کے پیچھے آگ لے کر چلنا اور جب میری میت اٹھاؤ تو جلدی لے کر جانا کیونکہ اگر میں نیک ہوں تو تم مجھے میرے رب کی طرف لے جا رہے ہو اور اگر میں برا ہوں تو میں ایسی چیز ہوں جسے تم اپنی گردنوں سے اتار پھینکو گے۔

---

[1] جامع ترمذي:کتاب الزھد, باب من اتقی المحارم فھوی أعبد الناس

[2] ابوھریرہ راو یۃالاسلام ص:108

[3] طبقات ابن سعد 5/255

وفات

آپ نے 58ھ میں وفات پائی۔[1]

نماز جنازہ:

آپ کی نماز جنازہ أمیر مدینہ ولید بن عتبہ نے پڑھائی اور آپ کے جنازے میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ابوسعد خدری رضی اللہ عنہ نے بھی شرکت کی۔[2]

اور آپ کی میت اٹھانے والوں میں عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے بھی شامل تھے۔[3]

گزشتہ سطور میں سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی عظمت کو مختلف عناوین کے تحت اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس کا سادہ الفاظ میں یہی خلاصہ ہے کہ جناب ابوھریرہ رضی اللہ عنہ دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے وفادار سپاہی ہیں جنہوں نے اپنا تن، من، دھن خدمت اسلام اور تبلیغ علم کے لیے وقف کر رکھا تھا ان کی مخلصانہ کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے سب سے زیادہ احادیث مروی ہیں اور وہ اخلافِ امت میں راوی اسلام اور حافظۃ الاسلام جیسے لقب سے سرفراز ہوئے۔ آپ کی جملہ مساعی کا اہل اسلام نہ صرف اعتراف کرتے ہیں بلکہ آپ کے ذکر خیر سے علمی محافل ومجالس کو گرماتے بھی رہتے ہیں مگر مستشرقین کی تمام تر قوتیں اور توانائیاں اسی بات پہ صرف ہوتی ہیں کہ کسی نہ کسی طرح ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو داغدار کر دیا جائے جس کا لازمی نتیجہ ان روایات کی تردید کی شکل میں نکلے گا جو ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں کیونکہ جب ایک شخصیت ہی متنازعہ یا مشکوک قرار دے دی جائے تو اس کی بیان کردہ روایات کی بھی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ درحقیقت ہمیں مستشرقین سے نہ کوئی غرض ہے اور نہ ہی ہم ان کی ہرزہ سرائیوں کا جواب دینے میں کوئی دلچسپی رکھتے ہیں مگر:

خوف برق نہ خوف شر لگے ہے مجھے
اپنے ہی باغ کے پھولوں سے ڈر لگے ہے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ للذھبی 1/37

[2] طبقات ابن سعد 5/258

[3] طبقات ابن سعد 5/257

کے مصداق ہمیں مستغربین کی اصلاح کے لیے ان اعتراضات کا جواب دینا پڑتا ہے۔
جو بقول ابن تیمیہ رحمہ اللہ:

"لا للاسلام نصرو ا ولا للكفر كسروا"

کا روپ دھارے سادہ لوح مسلمانوں کے قلوب واذہان میں شکوک وشبھات کے بیج بو رہے ہیں۔
آئندہ سطور میں ہم ان سوالات کے جوابات ملاحظہ کرتے ہیں جو سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی کے متعلق مستشرقین اوران کے فیض یافتگان مستغربین کی طرف سے کیے جاتے ہیں:

اعتراض نمبر ا

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول کیا

جواب نمبر ا: پہلی بات تو یہ ہے کہ خلیفہء وقت کا کسی کو بھی معزول کرنا اس کی شخصیت میں قدح کا باعث نہیں یہ حکومتی پالیسیوں کا ایک حصہ اور حکمران کی صوابدید پہ منحصر ہے وہ جس کو چاہے عہدہ دے اور جس کو چاہے معزول کرے اگر یہ معزولی سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو داغدار کرتی ہے تو انہوں نے ان کے علاوہ ابو موسی اشعری، حارث بن کعب بن وھب ،سعد بن ابی وقاص، مغیرہ بن شعبہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنھم کو بھی ان کے ذمہ داریوں سے ہٹا کر انہیں ان کے عہدوں سے معزول کیا تھا تو کیا اب یہاں بھی یہ سمجھا جائے گا کہ یہ معزولی ان جلیل القدر شخصیات کی تنقیص اور ان پہ عدم اعتماد کا اظہار ہے؟[1]
پھر بھی یاد رہے کہ بحث وتفتیش کے بعد جب سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی براءت ثابت ہوئی تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں پھر عہدے کی پیشکش کی تھی مگر سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے بذات خود ان سے معذرت کر لی تھی۔[2]

---

[1] ابوهريره واقلام الحاقدين ص:6
[2] طبقات ابن سعد 2/255

اعتراض نمبر ۲

آپ نے نبی کریم ﷺ کے ہمراہ بہت کم عرصہ گزارا مگر آپ کی روایات سب سے زیادہ ہیں؟

جواب نمبر ۲: یہ بات بالکل درست ہے کہ سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے خلفائے راشدین کے برعکس آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں بہت کم وقت گزارا اور ان صحابہ کرام کی نسبت سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات بہت زیادہ ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"وقد اجمع أهل الحديث على انه اكثر الصحابة حديثا "[1]

ترجمہ: تمام اہل حدیث اس بات پہ متفق ہیں کہ آپ کی روایات تمام صحابہ سے زیادہ ہیں۔

آپ کی روایتوں کی کثرت کی بہت ساری وجوہات ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

1. خلفائے راشدین درس وتدریس کی بجائے امور سیاست میں مشغول رہے جس کی وجہ سے ان سے اس قدر روایات مروی نہیں ہیں جس قدر سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔
2. سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات کو علم اور طلبائے علم کے لیے وقف کر رکھا تھا اور سیاسی امور سے اسی لیے مکمل کنارہ کشی اختیار کر لی تھی تا کہ وہ لوگوں کی علمی ضروریات کو پورا کر سکیں۔
3. آپ کا طویل العمر ہونا بھی اس کا ایک سبب ہے۔
4. مرویات کی یہ تعداد وہ ہے جس کو تمام محدثین نے مختلف طرق اسناد سے ذکر کیا ہے۔ اگر صرف متون کا لحاظ رکھا جائے تو وہ اس کا تیسرا حصہ بھی نہیں رہتا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد (573) ہے اور یہ مختلف طرق کے لحاظ سے ہے۔ لیکن جب متون کا شمار کیا گیا تو یہ تعداد دو سو تک بھی نہیں پہنچی۔ اس لحاظ سے بھی اگر سیدنا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کی مرویات کو تصور کیا جائے تو یہ تعداد دو ہزار تک بھی نہ پہنچے گی۔[2]

نیز ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمی نے اپنی کتاب (أبو هريرة في ضوء مروياته: دراسة مقارنة في مائة حديث عن مروياته) میں یہ تحقیق پیش کی ہے کہ سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی متون کی تعداد پندرہ سو کے لگ بھگ ہے۔[3]

---

[1] الاصابۃ 2/201 [2] آئینہ پرویزیت، ص:466 [3] دیکھئے: مقالات حدیث ص 287۔ مؤلف ڈاکٹر محمود احمد غازی

اب عام مشاہدہ کی طرف آیئے ایک درمیانے ذہن کا بچہ جو محض استاد کے ڈر سے سبق یاد کرتا اور اس کی اپنی کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اوسط تین سال میں قرآن کریم کی (6666) آیات زبانی یاد کرلیتا ہے تو سوا چار سال کے عرصے میں سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی (5374) مرویات پر شک کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اور جن کے متون کی تعداد صرف دو ہزار کے لگ بھگ ہے؟[1]

5 آپ کا باکمال حافظہ جس کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصوصی دعا فرمائی تھی پھر اس کے بعد آپ کبھی نہیں بھولے۔[2]

اسی لیے حافظ ذہبی فرماتے ہیں:" كان حفظ أبي هريرة الخارق من معجزات النبوة"۔

ترجمہ: ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کا باکمال حافظہ معجزات نبوی میں سے ایک معجزہ تھا۔[3]

پھر ایسا بھی نہیں تھا کہ آپ کے بے نظیر حافظے کو خاموشی سے تسلیم کرلیا گیا تھا بلکہ آپ کو باقاعدہ امتحانی مراحل سے گزار کر توثیقی رتبے پر فائز کیا گیا ہے۔

مروان کے سیکرٹری ابوزعزۃ بیان کرتے ہیں کہ مروان نے ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کو بلوایا پھر مجھے پردے کی اوٹ پہ بٹھا کر ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے احادیث سننے کی فرمائش کی ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ جو کہتے میں لکھتا جاتا حتی کہ میں نے بہت زیادہ احادیث لکھ لیں۔ ایک سال بعد ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کو دوبارہ بلوا کر ان سے سوالات کا سلسلہ شروع کردیا اور میں پردے کی اوٹ میں بیٹھا کتاب میں دیکھتا جاتا تو ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ نے (الفاظ میں) ذرا کمی بیشی نہ کی۔[4]

قابل تلامذہ:

کسی بھی استاد کا اصل سرمایہ اس کے پختہ مزاج قابل طلباء ہوا کرتے ہیں فقہ اسلامی کا مطالعہ کرتے وقت عام فکر و ذہن والا آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ مذاھب اربعہ کے ائمہ کے علاوہ باقی ائمہ کرام

---

[1] آئینہ پرویزیت، ص:467

[2] بخاری کتاب العلم 1/284

[3] سير أعلام النبلاء 594/2

[4] الكنى للبخاري ص:33

اوران کی فقہی بصیرت و بصارت پردہ ء عالم سے مخفی کیوں ہے؟ اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کو جہاں دیگر سہولیات میسر آئیں وہیں ان کو ایسے قابل فخر تلامذہ بھی میسر آئے جنہوں نے قلم وقرطاس اور درس وتدریس کے ذریعے اپنے اساتذہ کرام کے علمی ورثے کو بطریق احسن منتقل کیا تو اسی تناظر میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کو علم کی نشر واشاعت کے سلسلے میں جہاں دیگر سہولیات میسر تھیں وہیں ایسے ہونہار شاگرد بھی میسر آئے جن میں سے ہر کوئی اپنی ذات میں انجمن تھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے آپ کے شاگردوں کی تعداد آٹھ سو ذکر کی ہے۔ [1]

(جن میں سے) بکثرت شاگردوں نے ان کی احادیث کو قلم بند کیا تھا۔ [2]

آئندہ سطور میں سیدنا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کے ان قابل فخر تلامذہ کا تذکرہ بھی ملاحظہ کریں۔
جنہوں نے سیدنا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایات کو احاطہ ٔتحریر میں لاکران کی روایات کو حفاظتی شکل عطا کی۔

ھمام بن منبہّ:

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں: ھمام بن منبہّ نے اپنے استاد سے حدیثوں کا جو مجموعہ حاصل کیا تھا۔اسے نہ تو ضائع کیا اور نہ اپنی ذات تک محدود رکھا بلکہ اپنی نوبت تک اسے شاگردوں تک پہنچایا اور رسالہ ء زیر تذکرہ کی روایت یا تدریس کا مشغلہ انہوں نے پیرانہ سالی تک جاری رکھا۔خوش قسمتی سے انہیں ایک صاحب ذوق شاگرد معمر بن راشد یمنی بھی مل گئے ۔معمر کو بھی ایک ممتاز اہل علم بطور شاگرد مل گئے ، یہ عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیر ی تھے ۔عبدالرزاق نے بنفسہ روایت کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ان کی خوش قسمتی ہے کہ انہیں دو بڑے ہی اچھے شاگرد ملے ۔ایک امام احمد بن حنبل اور دوسرے ابوالحسن احمد بن یوسف السلمی ۔۔امام احمد نے اسے اپنی ضخیم تالیف المسند کے باب ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کی ایک خاص فصل میں بلا حذف واضافہ ضم کردیا ہے۔ [3]

---

[1] سیرأعلام النبلاء 579/2

[2] سنت کی آئینی حیثیت: ص284

[3] مقدمۃ صحیفہ ہمام بن منبہ ص:50،51

بشیر بن نھیک:

امام دارمی نے باسند بشیر بن نھیک سے نقل کیا ہے کہ: وہ سیدنا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے جو سنا کرتے اسے لکھ لیا کرتے تھے جب انہوں نے واپس اپنے گھر جانا چاہا تو جو لکھا تھا وہ لے آئے اور سیدنا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کو سنا کر کہا:ھذا سمعت منک ؟قال :نعم ۔[1]

ترجمہ: یہ سب میں نے آپ سے سماعت کیا ہے؟: تو سیدنا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں۔

ابوزعزۃ:

انہوں نے مروان کی ہدایت پر چلمن کی اوٹ میں بیٹھ کر سیدنا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایات سن کر لکھ لی تھیں۔[2]

ان شخصیات کے علاوہ سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے عبد العزیز بن مروان، ابو صالح السمان ،سعید المقبری ،عبد اللہ بن ھرمز ،عبید اللہ بن موھب القرشی ،عقبہ بن ابی الحسناء،اور محمد بن سیرین ،کے پاس سیدنا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کی مرویات تحریری شکل میں محفوظ تھیں۔[3]

اعتراض نمبر ۳

آپ بنو امیہ کے حامی تھے اور علی رضی اللہ عنہ کی تنقیص میں احادیث وضع کیا کرتے تھے۔

جواب: حقیقی بات تو یہ ہے کہ: دروغ گورا حافظہ نہ باشد۔کوئی ان عقل کے ماروں سے پوچھے کہ بھلا وہ روایات کہاں ہیں جن میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ یا اہل بیت کی تنقیص کی گئی ہے۔یہ تو کہیں نہیں ملیں گی مگر اس کے برعکس ہمیں سیدنا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ جناب علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے فضائل اور محاسن ومناقب بیان کرتے اور گورنر مدینہ مروان کو اس کی غلطیوں پہ تنبیہ کرتے نظر آتے ہیں۔

---

[1] سنن دارمی :باب من رخص فی کتابة العلم

[2] الکنی للبخاری،ص:33

[3] دیکھئے:دراسات فی الحدیث لمصطفی الأعظمی ص97 تا99

پہلے وہ روایات ملاحظہ ہوں جو اصحاب اہل بیت کے فضائل پر مشتمل ہیں اور ان کے راوی سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں مروی حدیث:

سیدنا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن فرمایا: میں (کل) یہ جھنڈا ایسے آدمی کو دوں گا وہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے محبت کرنے والا ہے (اور) اللہ اس کے ہاتھ پہ فتح بھی عطا کرے گا۔۔۔تو اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی بن ابی طالب کو بلا کر جھنڈا انہیں عنایت کر دیا۔[1]

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں مروی حدیث:

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا حسن کے لیے فرمایا: ''یا اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں لہذا تو بھی اس سے محبت کر اور اس سے بھی محبت کرنا جو اس سے محبت کرتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن کو گلے لگالیا''۔[2]

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں مروی حدیث:

سیدنا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو حسن و حسین سے محبت کرتا ہے گویا کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور جو حسن و حسین سے بغض رکھتا ہے گویا کہ وہ مجھ سے بغض رکھتا ہے''۔[3]

یہ تو رہیں وہ احادیث جو حضرات اہل بیت کی مدح میں بطریق سیدنا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ مروی ہیں اب ناقدینِ سیدنا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کو چاہئے کہ وہ روایات پیش کریں جو ان کے دعوے کے مطابق سیدنا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی توہین میں وضع کی ہیں؟

میرے خیال میں ان روایات کا وجود ان لوگوں کے دماغ کے سوا اور کہیں بھی نہیں ہے۔

---

[1] صحیح مسلم :کتاب فضائل الصحابة،باب من فضائل علی رضی اللہ عنہ

[2] صحیح البخاری :کتاب اللباس ، باب السخاب للصبیان

[3] سنن ابن ماجہ:کتاب ابواب فی فضائل الصحابہ ،باب فضل الحسن و الحسین رضی اللہ عنہما

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے اس قدر والہانہ پیار اور قلبی لگاؤ تھا کہ جب بھی آپ کی نگاہ سیدنا حسن پر پڑتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یاد کر کے رونا شروع کر دیتے تھے۔[1]

اور جب حسن رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو آپ مسجد نبوی میں با آواز بلند کہہ رہے تھے:

"يأأيهاالناس ،مات اليوم حب رسول الله ﷺ فابكوا"۔[2]

ترجمہ: لوگو جی بھر کے رولو۔آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب کا انتقال ہو گیا ہے۔

یہ تو وہ روایات ہیں جو اہل بیت کی مدح وستائش پہ مشتمل ہیں اب وہ روایات اور آثار ملاحظہ ہوں جن کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوگی کہ جناب ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بنو امیہ کی غلطیوں پہ انہیں ٹوکا کرتے تھے۔

جب مروان نے حسن رضی اللہ عنہ کی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تدفین کے مسئلے میں مخالفت کی تو ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے سخت مزاحمت کرتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم تم حکمران نہیں اور تم کسی اور کو راضی کرنے کے لیے سب کچھ کر رہے ہو نیز مروان کو سختی سے کہا کہ وہ اس معاملے میں دخل اندازی سے گریز کرے جس پر مروان نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔[3]

ذرا سوچنے کی بات ہے کہ اگر ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بنو امیہ کے حمایتی اور اہل بیت سے عداوت رکھنے والے ہوتے تو کیا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات پر غمگین ہو کر ان کی وفات کی خبر نشر کرتے؟ اور کیا وہ گورنر مدینہ مروان سے اس بات پہ الجھنا پسند کرتے کہ حسن رضی اللہ عنہ کو ان کے نانا کے ساتھ دفن ہونے سے کیوں روکا جا رہا ہے؟

پھر مروان کے ساتھ ان کی گرم گفتاری ایک بار نہیں بلکہ کئی بار ہوئی ہے۔

ایک دفعہ سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ مروان کے گھر گئے تو وہاں تصاویر دیکھ کر انتہائی خفا ہوئے اور بے لاگ تبصرہ اور مثبت تنقید کرتے ہوئے مروان کو کہا: میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: "اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو میری بنائی ہوئی مخلوق کی طرح

---

[1] البدایہ والنہایہ 11/186

[2] البدایہ والنہایہ 11/211

[3] دفاع عن السنة ص:156

خلقت بناتا ہے ان کو چاہیے کہ ذرہ (وغیرہ) بنا کر دکھائیں۔[1]

اسی طرح مروان نے جب نماز جمعہ میں تاخیر کی تو سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے اسے سخت تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا: تم تو اپنی بیوی کے پاس بیٹھے رہتے ہو جو تمہیں پنکھے کی ہوا دیتی ہے اور ٹھنڈا پانی پلاتی ہے اور یہاں مہاجرین وانصار کے بچے سخت گرمی میں بیٹھے ہوئے ہیں۔[2]

آپ نے گورنر مدینہ مروان کے دیر سے جمعہ میں آنے پر سخت نوٹس لیا۔۔۔اس سے سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کا مسلمانوں میں مقام ومرتبے کا پتہ چلتا ہے اگر وہ معمولی درجہ رکھتے یا معاشرے کے گرے پڑے لوگوں میں ان کا شمار ہوتا جیسا کہ مخالفین نے ان کی تصویر پیش کی ہے تو نہ لوگ ان کی بات سنتے اور نہ ہی امیر مدینہ اس کو برداشت کرتا۔[3]

اعتراض نمبر ۴:

سیدہ عائشۃ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم آپ پہ اعتماد نہیں کرتے تھے۔

جواب: گزشتہ اعتراضات کی طرح یہ اعتراض بھی دروغ گوئی اور کذب بیانی پر مبنی ہے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا آپ رضی اللہ عنہ کی بعض روایات سے اختلاف رکھنا اسی طرح ہے جیسے اہل علم کا آپس میں کسی علمی مسئلے میں اختلاف ہو جائے پھر اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کے سوا دیگر صحابہ جیسے ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی مرتضی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم پر جو استدراکات کئے ہیں ان کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ ان میں مسئلے کی وضاحت یا دلیل کا مطالبہ ہوا کرتا تھا اس مسئلے میں مزید تفصیل کے لیے امام بدرالدین الزرکشی کی کتاب (الاجابة لإيرادمااستدركته عائشة على الصحابة) کا مطالعہ مفید رہے گا۔

قصہ مختصر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ رضی اللہ عنہ پر مکمل اعتماد تھا اسی لیے جب عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت کی تصدیق کے لیے اپنے شاگرد کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف روانہ کیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق ان الفاظ سے فرمائی: "صدق

---

[1] صحيح البخاری: كتاب اللباس، باب نقض الصور [2] العقد الفريد 1/ 53 [3] السنة قبل التدوين ص: 440

ابوھریرہ "ترجمہ: ابوھریرہ نے سچ کہا۔[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ کی ذات گرامی پر مکمل اعتماد تھا اسی لیے وہ ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے بے دھڑک روایات بیان کرتے تھے۔

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے احادیث روایات کی ہیں ان میں، زید بن ثابت، ابوایوب انصاری، عبد اللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو، عبداللہ بن زبیر، ابی بن کعب، جابر بن عبداللہ، ام المؤمنین عائشہ، مسعود بن مخرمۃ، عقبۃ بن حارث، ابوموسی اشعری، انس بن مالک، سائب بن یزید، ابورافع، ابوامامۃ بن سھل، ابوالطفیل، ابونضرۃ غفاری، ابورھم غفاری، شداد بن الھاد، ابوحدرد عبداللہ بن حدرد اسلمی، ابورزین العقیلی، واثلۃ بن اسقع۔قبیصۃ بن ذویب، عمرو بن الحمق، حجاج الاسلمی، عبداللہ بن عکیم، الاغرالجھنی، اور شرید بن عمرو رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی نمایاں نظر آتے ہیں[2]

ان اٹھائیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آپ کی شخصیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں انتہائی معتبر تھی اور اس اعتبار کی وجہ سے وہ نہ صرف آپ سے احادیث سنتے تھے بلکہ آپ کے حوالے سے ان احادیث کو روایت بھی کیا کرتے تھے۔

اس بحث کا خاتمہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کے اس قول پہ کیا جاتا ہے جسے امام حاکم نے المستدرک میں نقل کیا ہے۔ جسے پڑھ کر بخوبی اندازہ ہوگا کہ فرق باطلہ کو آخر سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے اس قدر پرخاش کیوں ہے؟

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کو رد کرنے کے لیے ان کی شخصیت پہ وہی طعن کرے گا جس کے دل کو اللہ نے اندھا کر دیا ہے تو اسے احادیث کے معانی کی سمجھ ہی نہیں آتی یا پھر وہ شخص فرقہ جھمیۃ معطلۃ میں سے ہوگا جو اپنے نظریات کے خلاف ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات سن کر ان کو برا بھلا کہے گا اور ادنیٰ

---

[1] السنۃ قبل التدوین ص:440

[2] المستدرک 513/3

درجے کے جہلاء کو یہ تائثر دینے کی کوشش کرے گا کہ روایات ابوھریرہ رضی اللہ عنہ قابل احتجاج نہیں ہیں۔

یا وہ شخص خارجی ہوگا جس کے نزدیک ساری امت محمدی واجب القتل ہے اور اس کے خیال میں کسی خلیفہ اور امام کی اطاعت ضروری نہیں۔ ایسا شخص جب اپنے گمراہ کن نظریات کے خلاف ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ احادیث دیکھے گا اور کسی دلیل یا برھان سے ان کے جواب نہ دے سکے گا تو اسی وقت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے لگے گا۔ یا وہ شخص منکرین تقدیر میں سے ہوگا جن کا اسلام اور اہل اسلام سے کوئی تعلق نہیں مزید برآں وہ تقدیر کا عقیدہ رکھنے والے مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں ایسا شخص جب اثبات تقدیر کے مسئلے میں ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ احادیث دیکھے گا تو اپنے کفر پر مبنی عقیدے کی تائید وحمایت میں اسے کوئی دلیل نہ ملے گی تو وہ کہے گا کہ ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات استنادواحتجاج کے قابل نہیں یا وہ شخص جاہل ہوگا جو جہالت کے باوجود فقہ دانی کا مدعی ہے۔ اس شخص نے جس امام کی تقلید کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالا ہوا ہے جب اس کے خلاف ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات دیکھے گا تو ان کی تردید کرنے لگے گا اور ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کو مطعون ٹھہرانے لگے گا۔ لیکن جب ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ احادیث اس کے امام کے مسلک سے ہم آہنگ ہوں گی تو اس وقت وہ ان کو اپنے مخالفین کی تردید میں استعمال کرے گا''۔ [1]

---

[1] المستدرک 3/513

احکام و مسائل

حلالہ کی شرعی حیثیت

حافظ صلاح الدین یوسف [1]
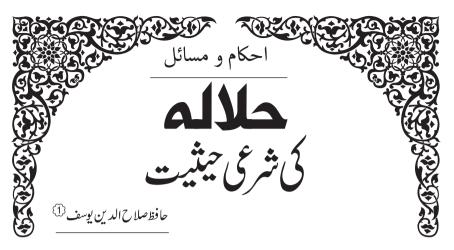
تفویض طلاق کے مسئلے میں جس طرح فقہائے احناف کا مسلک ایک طرح کی شریعت سازی کے مترادف ہے جس کی ضروری تفصیل بیان ہوچکی ہے۔ اس طرح انہوں نے مروجہ لعنتی حلالے کو بھی نہ صرف جائز بلکہ اسے باعث اجروثواب قرار دے کر شریعت کے ایک نہایت اہم حکم کی پامالی کا راستہ کھولا ہوا ہے، یا یہ الفاظ دیگر تفویض طلاق کی طرح ایک اور شریعت سازی کر رکھی ہے۔

شریعت اسلامیہ میں جس عورت کو طلاق بتّہ (الگ الگ تین موقعوں پر تین طلاقیں یا احناف کے نزدیک بیک وقت ہی تین طلاقیں) مل گئی ہوں، اس کے لیے حکم ہے کہ اس کے بعد وہ پہلے خاوند سے دوبارہ اس وقت تک نکاح نہیں کرسکتی جب تک وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے اور اس کے پاس ہی آباد نہ رہے، پھر اگر اتفاق سے ان کے درمیان نباہ نہ ہوسکے اور وہ طلاق دے دے یا فوت ہوجائے تو عدت گزارنے کے بعد وہ پہلے خاوند سے نکاح کرسکتی ہے۔

لیکن طلاق بتّہ مل جانے کے بعد پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کرنے کے لیے یہ حیلہ اختیار کرنا کہ کسی مرد سے شرط کرکے نکاح کرکے ایک دو راتیں اس کے پاس گزار کر طلاق حاصل کرلینا اور پھر پہلے خاوند سے نکاح کرلینا، اس حیلے کی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنتی فعل قرار دیا ہے اور حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے، دونوں پر لعنت فرمائی ہے:

[لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم المحلّ و المحلّل له] [2]

---

[1] مدیر: شعبہ تحقیق وتصنیف دارلسلام، لاہور، [2] جامع ترمذی، باب التحلیل

بلکہ ایک اور حدیث میں حلالہ کرنے والے شخص کے لیے بالتّیس المسْتعار (کرائے کا سانڈ) جیسے کریہہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ [1]

اور قرآن یا حدیث میں اس قسم کے الفاظ کہ یہ باعث لعنت ہیں، یا رجس (ناپاک) ہیں، شیطانی عمل ہیں، وغیرہ۔ ان سے مقصود ان کاموں کی حرمت وممانعت ہوتی ہے جیسے شراب کو رجس اور شیطانی عمل کہا گیا ہے، فضول خرچی کرنے والے کو شیاطین کا بھائی کہا، جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے، ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ان کا مطلب یہی ہے کہ یہ افعال ممنوع اور حرام ہیں اور ان کے مرتکبین ملعون ہیں۔ اپنے لیے کیے جائیں یا کسی دوسرے کی خاطر۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ حرام کام اپنے لیے ممنوع ہو، وہ کسی دوسرے کی خاطر کرنے کی وجہ سے جائز ہوجائے۔ علاوہ ازیں حرام کام حسن نیت سے حلال نہیں ہوجائے گا، وہ حرام ہی رہے گا، الّا یہ کہ کسی نص سے کوئی استثناء ثابت ہو۔

مروجہ حلالے کو بھی شریعت میں لعنت کا باعث قرار دیا گیا ہے اور اس کی بابت کسی قسم کا استثناء بھی ثابت نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کا اقتضاء یہ ہے کہ ایسا مشروط نکاح حلالہ یا حلالے کی نیت سے کیا گیا نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا بلکہ یہ زنا کاری شمار ہوگا اور اس زنا کاری سے وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی۔

آثار صحابہ رضی اللہ عنہم

1. صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بجا طور پر ان فرامین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی مطلب سمجھا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: [لا أوتی بمحلّلٍ و لا بمحلّلةٍ إلّا رجمتهما.] [2]

”میرے پاس جو بھی حلالہ کرنے والا مرد اور وہ عورت جس کے ساتھ حلالہ کیا گیا لائے جائیں گے تو میں دونوں کو سنگسار کر دوں گا، یعنی زنا کاری کی سزا دوں گا۔“

2. حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو مطلقہ عورت سے اس کے

---

[1] سنن ابن ماجه، باب المحلل [2] مصنف عبد الرزاق الصنعاني، باب التحليل: 265/6

خاوند کے لیے اسے حلال کرنے کی نیت سے شادی کرتا ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

[کلاهما زانٍ، وإنْ مکثا کذا وکذا، وذکر عشرین سنةً، أوْ نحو ذلك إذا کان اللّٰہ یعْلم أنّه یرید أنْ یحلّها له.] [1]

''دونوں (مرد وعورت) زانی ہیں، چاہے وہ اس نکاح میں 20 سال یا اس کے قریب بھی رہیں، جب کہ اللہ کے علم میں ہو کہ اس شخص کی نیت اس عورت کو اس کے خاوند کے لیے حلال کرنے کی ہے۔''

3 حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے پوچھا: میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''تیرے چچا نے اللہ کی نافرمانی کی ہے، پس اللہ نے اس کو پشیمانی میں ڈال دیا ہے اور اس نے شیطان کی پیروی کی ہے، اب اس کے لیے اس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔''

اس نے مزید پوچھا: اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو میری چچی سے اس کو میرے چچا کے لیے حلال کرنے کی نیت سے نکاح کرلے؟ آپ نے فرمایا:

[منْ یخادع اللہ یخدعه]

''جو اللہ سے دھوکہ کرتا ہے، اللہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ فرماتا ہے۔''

4 حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سود کھانے والے، سود کھلانے والے، سود کا گواہ بننے والے، اس کے لکھنے والے اور دیگر بعض ممنوع کام کرنے والوں اور حلالہ کرنے والے اور کروانے والے، ان سب کی بابت فرماتے ہیں:

[ملْعونون علی لسان محمّدٍ صلی اللہ علیْه وسلّم یوْم الْقیامة] [2]

''یہ سب قیامت کے روز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک کی رو سے ملعون ہوں گے۔''

---

[1] مصنف عبدالرزاق الصنعاني، باب التحلیل: 269/6 [2] مصنف عبدالرزاق: 266/6

فرمان رسول اور صحابہ کے موقف کے برعکس فقہائے احناف کا مسلک

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واضح فرمان اور آثار صحابہ کی رو سے یہ لعنتی فعل۔حلالہ۔فقہائے احناف اور موجودہ علمائے احناف کے نزدیک نہ صرف جائز ہے بلکہ ان کے نزدیک (نعوذ باللہ) یہ باعث اجر کام ہے۔انا اللہ وانا إلیہ راجعون۔

اب تک تو ہم سنتے ہی آئے تھے کہ علمائے احناف حلالے کے جواز کا فتوی دیتے ہیں لیکن یہ دیکھ کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ موجودہ علمائے احناف میں ایک نہایت برسر آوردہ عالم مولانا تقی عثمانی صاحب ہیں جن کو ان کے عقیدت مندوں نے شیخ الاسلام کے لقب سے بھی نوازا ہوا ہے۔جن کا اس دور میں ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ ''میزان بینک'' کے نام سے جو بینک قائم ہوا ہے اس کو غیر سودی بینک قرار دے کر سودی طریقوں کو سند جواز مہیا کی ہے۔گویا فقہی حیلوں کے ذریعے سے حرام کو حلال کرنے میں ان کو خصوصی مہارت حاصل ہے۔اللہ کرے زور فقاہت اور زیادہ۔

اسی فقہی مہارت کے ذریعے سے انہوں نے حلالہ جیسے لعنتی فعل کے جواز میں بھی سات دلائل مہیا کیے ہیں جو ان کے ''درس ترمذی'' نامی کتاب کی زینت ہیں۔

ہم مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر ان دلائل سبعہ کا مختصراً جائزہ لینا ضروری سمجھتے ہیں۔ہم ترتیب وار ان پر گفتگو کریں گے۔پہلے مولانا موصوف کی عبارت اور تبصرہ کے عنوان سے اس پر نقد ہوگا۔وباللہ التوفیق

1. مولانا عثمانی صاحب حدیث [لعن اللّٰہ المحلّ و المحلّل له] (ترمذی) کی شرح میں فرماتے ہیں ''اس حدیث کی بناء پر نکاح بشرط التحلیل بالاتفاق ناجائز ہے البتہ اگر عقد میں تحلیل کی شرط نہ لگائی گئی ہو لیکن دل میں یہ نیت ہو کہ کچھ دن اپنے پاس رکھ کر چھوڑ دوں گا تو حنفیہ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے بلکہ امام ابوثور کا قول ہے کہ ایسا کرنے والا ماجور ہوگا۔'' (درس ترمذی)

تبصرہ

حالانکہ مشہور حدیث ہے [إنّما الأعمال بالنّیات] (عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے)

علاوہ ازیں نیت کا تعلق بھی صرف حلال کاموں سے ہے۔حرام کام کرتے وقت نیت کتنی بھی اچھی ہو، وہ حلال نہیں ہوگا نہ اس پر اجر ملے گا۔اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایک حرام کام کرتے وقت زبان سے

اس کو حلال کرنے کا اظہار نہ ہو لیکن اگر دل میں اس کو حلال سمجھتے ہوئے کرے گا تو نہ وہ حلال ہوگا اور نہ اس پر اجر ملے گا بلکہ ہوسکتا ہے وہ ڈبل جرم کا مرتکب سمجھا جائے۔ ایک حرام کام کو اختیار کرنے کا، دوسرا حرام کو حلال سمجھنے کا بلکہ ایک تیسرا جرم کسی دوسرے کے لیے حرام کو حلال کرنے کا۔ پھر یہ کونسا اصول ہے کہ زبان سے تو تحلیل کا نہ کہے لیکن دل میں تحلیل کی نیت کرلے تو وہ نہ صرف جائز بلکہ قابل اجر ہوجائے گا؟ اس فقہی حیلے کی رو سے تو ہر حرام کام حلال اور جائز قرار پا جائیں گے۔ مثلاً: ایک چور اس نیت سے چوری کرے، ایک ڈاکو اس نیت سے ڈاکہ ڈالے کہ میں اس رقم کو غریبوں پر خرچ کروں گا۔ اسی طرح کوئی سود بھی غریبوں پر اور رشوت بھی غریبوں پر خرچ کرنے کی نیت سے لے تو کیا اچھی سی نیت کر لینے سے مذکورہ حرام کام نہ صرف جائز بلکہ باعث اجر ہو جائیں گے؟

اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً ایسا نہیں ہے کہ حسن نیت سے کوئی حرام کام بھی جائز ہوسکتا ہے تو پھر حلالہ جیسا حرام اور لعنتی فعل محض اس نیت سے کہ میرے اس حرام کام سے دوسرے شخص کا اس عورت سے دوبارہ نکاح کرنا جائز ہو جائے گا اور ایک دوسرے بھائی کا بھلا ہو جائے گا۔ کیسے حلال اور جائز بلکہ ماجور کام قرار پائے گا؟

2 مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

> ''امام احمد کے نزدیک یہ صورت بھی (بہنیت تحلیل عارضی نکاح) ناجائز اور باطل ہے، وہ حدیث باب کے اطلاق سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں محلل پر مطلقاً لعنت کی گئی ہے اور تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ ہم (احناف) یہ کہتے ہیں کہ تخصیص تو آپ نے بھی کی ہے وہ اس طرح کہ حدیث باب کے اطلاق کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر نکاح نہ بشرط التحلیل ہو اور نہ بنیۃ التحلیل ہو پھر بھی اگر زوج ثانی طلاق دے کر اس کو زوج اوّل کے لیے حلال کردے تو بھی ناجائز ہے کیونکہ محلل کا لفظ اس پر بھی صادق آتا ہے حالانکہ ایسا شخص کسی کے نزدیک بھی ملعون نہیں۔'' (درس ترمذی)

تبصرہ

یہ ساری گفتگو محض اپنی بات کو جائز قرار دینے کے لیے ہے۔ نیز خلاف حقیقت ہے یہ دعوی کہ ''ایسا شخص کسی کے نزدیک بھی ملعون نہیں''، یکسر غلط ہے جب ایسا شخص زبان رسالت مآب ﷺ کی رو سے

ملعون ہے تو اس کے ملعون ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے؟ علاوہ ازیں کوئی اور اسے ملعون کہے یا نہ کہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ملعون قرار دے رہے ہیں تو اس کے بعد بھی اس کے ملعون ہونے کے لیے کسی ہمہ شما کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ملعون قرار دینا اس کے ملعون ہونے کے لیے کافی نہیں ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے۔ دونوں پر لعنت فرمائی ہے یعنی یہ دونوں ملعون ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور بھی بہت سے کام کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے، یعنی وہ سب ملعون ہیں۔ جیسے:

(64) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کا گواہ بننے والے اور اس کے لکھنے والے پر

[لعن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلّم آکل الرّبا، ومؤکله وشاهده وکاتبه][1]

(65)[لعن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلّم الرّاشي والمرتشي.][2]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رشوت لینے والے اور دینے والے پر لعنت فرمائی۔''

(66) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

[لعن اللّٰہ الخمر، وشاربها، وساقیها، وبائعها، ومبتاعها، وعاصرها، ومعتصرها، وحاملها، والمحمولة إلیه.][3]

''اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے شراب پر، اس کے پینے والے پر، اس کے پلانے والے (ساقی) پر، اس کے بیچنے والے پر، خریدنے والے پر، اس کے نچوڑنے والے اور نچڑوانے والے پر، اس کو اٹھا کر لے جانے والے اور جس کی طرف اٹھا کر لے جائی جائے اس پر۔''

(67)[لعن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلّم الرّجل یلبس لبسة المرأة، والمرأة تلبس لبسة الرّجل][4]

---

[1] سنن ابی داؤد، حدیث: 3333 [2] سنن ابی داؤد، حدیث: 3580 [3] سنن ابی داؤد، حدیث: 3674

[4] سنن ابی داؤد، حدیث: 4098

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کا سا لباس پہنتا ہے اور اس عورت پر جو مردوں کا سا لباس پہنتی ہے۔''

اور متعدد فیشنی عورتوں پر لعنت فرمائی۔

[لعن اللہ الواشمات، والمستوشمات] [1]

اللہ تعالیٰ نے گودنے والی اور گودوانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی۔

کیا یہ اور دیگر بہت سے لعنتی کام اس وقت ہی لعنتی اور ان کے کرنے والے اس وقت ہی ملعون ہوں گے جب ان کو کوئی خودساختہ امام ہی ملعون قرار دے گا؟ کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کو ملعون قرار دینا کافی نہیں ہوگا؟

کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذکورہ کاموں اور ان کے مرتکبین کو ملعون قرار دینے کے بعد کسی فقہی حیلے سے ان کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟

اگر ان میں سے کوئی ملعون کام حلال نہیں ہوسکتا تو حلالہ کیوں کر جائز ہوسکتا ہے؟ حلالۂ ملعونہ کو کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ اس کو ملعون کے بجائے ماجور (قابل اجر) مان لیا جائے؟

آخر دوسرے ملعون کام اور حلالۂ ملعونہ میں کیا فرق ہے جس کی بنیاد پر ایک تو حلال ہوجائے اور دوسرے حرام کے حرام ہی رہیں؟

﴿هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ ﴿البقرة: 111﴾

3 مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

''پھر نکاح بشرط التحلیل امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک محقق ہی نہیں ہوتا اور نہ اس سے عورت زوج اول کے لیے حلال ہوتی ہے جبکہ ہمارے (احناف) کے نزدیک ایسا کرنا اگرچہ حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص اس کا ارتکاب کرلے گا تو نکاح منعقد ہوجائے گا اور عورت زوج اول کے لیے حلال ہوجائے گی۔'' (درس ترمذی)

---

[1] سنن ابی داؤد، حدیث: 4169

تبصرہ

یہ منطق بھی نا قابل فہم ہے کہ حلالہ اگر چہ حرام ہے لیکن اس کے ارتکاب سے نکاح منعقد ہوجائے گا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ حرام کام بوقت ضرورت کرنے جائز ہیں اور اس کے ارتکاب سے وہ سارے مقاصد بھی حاصل ہوجائیں گے جو حلال کام کے ذریعے سے حاصل ہوتے ہیں۔ پھر حلال، حرام کے درمیان کوئی فرق تو نہ رہا۔ ایک شخص کسی کا مال حرام طریقے (چوری، ڈاکے، غصب وغیرہ) سے حاصل کرلے، تو یہ فعل تو حرام ہے لیکن کیا یہ حاصل شدہ مال اسی طرح جائز ہے جس طرح حلال طریقے سے حاصل کردہ مال ہوتا ہے اور اس غاصب، چور اور ڈاکو کے لیے اس مال کا استعمال بالکل حلال طریقے سے حاصل کردہ مال ہی کی طرح جائز ہوگا؟

اسی طرح اگر ایک کام حرام ہونے کے باوجود جائز ہوسکتا ہے تو پھر شیعوں کا نکاح متعہ بھی حلال ہونا چاہیے، اس کو حرام اور ناجائز کیوں کہا جاتا ہے؟ یا پھر ان دونوں حراموں کے درمیان فرق بتلایا جائے کہ نکاح حلالہ حرام ہونے کے باوجود اس لیے حلال ہے بلکہ باعث اجر ہے اور نکاح متعہ اس لیے حلال نہیں۔ اس فرق کی وضاحت کے بغیر ایک حرام کو حلال اور دوسرے حرام کو حرام ہی کیوں کر سمجھا جاسکتا ہے؟

4 مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

''ان حضرات کا استدلال حدیث باب [لعن رسول الله صلی اللّٰہ علیہ وسلّم المحلّ والمحلّل له] سے ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں نهى عن التحليل ہے، نفی نکاح نہیں ہے اور نہی "عن الافعال الشرعية'' اصل فعل کی مشروعیت کا تقاضا کرتی ہے کما تقرر فی أصول الفقه ''(درس ترمذی)

تبصرہ

مولانا موصوف کے اس پیرے کا مطلب غالباً یہ ہے کہ نکاح حلالہ کو ملعون قرار دے کر نکاح حلالہ سے روکنا مقصود ہے لیکن اس نہی (روکنے) کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نکاح حلالہ منعقد ہی نہیں ہوگا کیونکہ نہی (ممانعت) اصل فعل کی مشروعیت کا تقاضا کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے جن کاموں پر لعنت فرمائی ہے (جن سے متعلق چند احادیث پہلے بیان ہوئی ہیں) ان سے اصل مقصود تو

نھی (روکنا) ہی ہے لیکن اصول فقہ کی رو سے یہ نھی (روکنا) بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ایسے تمام افعال شرعیہ (جن سے روکا گیا ہے) اس فعل کی اصل مشروع (جائز) ہے۔ یعنی شراب کا بنانا، پینا بیچنا، سود کا کھانا، رشوت کا کھانا، رشوت کا لینا دینا وغیرہ وغیرہ، ان کو ملعون قرار دینے سے مقصود تو یقیناً نھی (روکنا) ہے لیکن اصل میں یہ سب مشروع (جائز) کام ہیں اس لیے یہ سب کام اصل کے اعتبار سے جائز ہوں گے اگر کوئی ان کا ارتکاب کرلے گا تو اس کے لیے ان کا جواز ہوگا اور وہ گنہگار نہیں ہوگا۔

ہمیں اصول فقہ میں مہارت کا دعویٰ تو نہیں لیکن موصوف کی ظاہری عبارت کا مفہوم ہماری سمجھ میں یہی آیا ہے اس کی تائید اس بات سے ہو رہی ہے کہ جس سیاق میں اس خود ساختہ اصول کا حوالہ دیا گیا ہے وہ نکاح حلالہ کا جواز مہیا کرنا ہے جبکہ خود موصوف کو بھی یہ تسلیم ہے کہ شریعت میں اس کی بابت نھی (ممانعت) بصورت لعنت وارد ہے، اس کے باوجود وہ ایک خانہ ساز فقہی اصول کے حوالے سے اسے اصل کے اعتبار سے مشروع (جائز) قرار دے رہے ہیں۔ بنابریں ہم نے جو سمجھا ہے وہ یقیناً صحیح ہے۔

اس اعتبار سے یہ فقہی اصول بھی ان خود ساختہ اصولوں میں سے ایک ہے جو نہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ثابت ہے اور نہ صاحبین (قاضی ابو یوسف اور امام محمد) سے۔ بلکہ جب تقلیدی جمود میں شدت آئی تو خود ساختہ فقہی مسائل سے متصادم صحیح احادیث کو ٹھکرانے کے لیے یہ اصول وضع کیے گئے۔ ان اصولوں کے ذریعے سے ہر صحیح حدیث کو، جسے احادیث کے نقد و تحقیق کے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں رد نہیں کیا جاسکتا، اسے ان وضعی اصولوں میں سے کسی ایک اصول کا سہارا لے کر ٹھکرا دیا جاتا ہے، جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال کر پھینک دیا جاتا ہے۔

ان خانہ ساز اصولوں کی درانتی سے کام لینے والوں کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ اس سے ہمارے ایک فقہی جزیئے کا جواز تو مہیا ہوجائے گا لیکن اس کی زد شریعت کے کتنے ہی حرام کاموں پر پڑے گی اور اس ایک فقہی مسئلے کے اثبات سے کتنے ہی حرام کاموں کا جواز ثابت ہوجائے گا۔

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

5 مولانا عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

”شافعیہ کے مسلک (کہ حلالہ حرام ہے) پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت سے بھی استدلال کیا گیا ہے:

[عنْ عمر بْن نافع، عنْ أبيه، أنّه قال: جاء رجلٌ إلى ابْن عمر رضي الله عنْهما، فسأله عنْ رجلٍ طلّق امْرأته ثلاثًا، فتزوّجها أخٌ له، منْ غيْر مؤامرةٍ منْه، ليحلّها لأخيه، هلْ تحلّ للْأوّل؟ قال: لا، إلّا نكاح رغبة، كنّا نعدّ هذا سفاحًا على عهْد رسول الله صلّى الله عليْه وسلّم]

اس روایت کوامام حاکم نے اپنی مستدرک میں ذکر کیا ہے اور صحیح علی شرط الشیخین قرار دیا ہے اور حافظ ذھبی نے بھی اس پر سکوت کیا ہے۔

اس استدلال کا کوئی جواب احقر کی نظر سے نہیں گزرا، البتہ اس کا یہ جواب سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن کریم کی آیت ﴿حتّٰی تنْکح زوْجًا غیْرہ﴾ میں مطلق نکاح کا ذکر ہے خواہ شرط تحلیل کے ساتھ ہو یا بغیر شرط تحلیل کے۔ اس پر خبر واحد سے زیادتی نہیں کی جاسکتی۔'' (درس ترمذی)

تبصرہ

مولانا موصوف کے اس مفصل پیرے پر تبصرہ سے پہلے اس حدیث کا ترجمہ ملاحظہ فرمالیں جس کا ترجمہ انہوں نے نہیں کیا، نیز روایت کی صحت مان لینے اور اس کا کوئی جواب نہ ہونے کے اعتراف کے باوجود ایک خود ساختہ اصول کی آڑ لے کر اس صحیح حدیث کو ردّ کر دیا۔

ترجمۂ حدیث:

''ایک شخص سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور اس شخص کے بارے میں پوچھا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو اس کے بھائی نے اپنے بھائی سے مشورہ کیے بغیر اس کی بیوی (اپنی بھابھی) سے اس نیت سے شادی کر لی تا کہ وہ بھائی کے لیے اپنی (مطلقۂ ثلاثہ) بیوی سے (دوبارہ) نکاح کرنے کو جائز کر دے۔ (یعنی بنیۃ التحلیل عارضی نکاح کی بابت پوچھا: جس کو احناف جائز کہتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا اس طرح وہ زوج اول کے لیے حلال ہو جائے گی؟) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ نکاح نہیں ہے۔ نکاح تو وہ ہے جو (بغیر شرط تحلیل اور بغیر نیت تحلیل کے) اپنی رغبت سے کیا جائے (گویا یہ زنا ہے) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایسے نکاح کو زنا سمجھتے تھے۔''

کتنی واضح حدیث ہے اور اس کے ساتھ یہ اعتراف بھی ہے کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کا کوئی

جواب بھی آج تک کسی حنفی عالم نے نہیں دیا ہے (سبحان اللہ، جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے)

اس صحیح اور لاجواب حدیث سے روز روشن کی طرح ثابت ہو رہا ہے کہ نکاح حلالہ چاہے شرط کے ساتھ نہ بھی ہو لیکن نیت حلالے کی ہو تو وہ حرام اور زنا کاری ہے۔ زنا کاری کے ذریعے سے ایسی عورت پہلے خاوند کے لیے کس طرح حلال ہو جائے گی؟ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ پہلے میاں بیوی حلالۂ ملعونہ کے بعد دوبارہ آپس میں بظاہر ازدواجی تعلق قائم کریں گے تو یہ جائز ملاپ نہیں ہوگا بلکہ وہ زانیوں کا ملاپ ہوگا اور ساری عمر زنا کاری کے مرتکب رہیں گے۔

قرآنی آیت سے استدلال کی حقیقت

اب ہم آتے ہیں قرآن کریم کی آیت ﴿حتّٰی تنْکح زوْجًا غیْرہ﴾ کی طرف جس کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے انہوں نے اس صحیح حدیث کو جس سے اس آیت کی تخصیص بھی ہوتی ہے اور صحیح مفہوم کی وضاحت بھی، اپنے ایک خود ساختہ اصول کے حوالے سے ٹھکرا دیا ہے۔ اور وہ حدیث ہے۔ [لعن رسول اللہ المحلّ و المحلّل لہ]

قرآن کریم کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ تیسری طلاق کے بعد اب خاوند اپنی مطلقہ بیوی سے نہ رجوع کر سکتا ہے اور نہ نکاح کے ذریعے ہی سے ان کے درمیان تعلق بحال ہو سکتا ہے جب کہ پہلی اور دوسری طلاق میں دونوں راستے کھلے ہوتے ہیں، عدّت کے اندر رجوع ہو سکتا ہے اور عدت گزر جانے کے بعد دوبارہ ان کے درمیان نکاح جائز ہے۔ لیکن تیسری طلاق کے بعد یہ دونوں ہی راستے بند ہو جاتے ہیں۔ اب ان کے درمیان دوبارہ نکاح کی صرف ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ یہ مطلقہ کسی اور شخص سے نکاح کرے، پھر اتفاق سے ان کے درمیان نباہ نہ ہو سکے اور وہ طلاق دے دے یا وہ فوت ہو جائے تو طلاق یا وفات کی عدت گزارنے کے بعد وہ زوج اول سے نکاح کر سکتی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں تمام مفسرین حلالے کا یہی واحد مشروع طریقہ بیان کرتے ہیں، کسی بھی مفسر نے یہ جرأت نہیں کی کہ اس آیت کے عموم سے حلالہ ملعونہ کا بھی جواز ثابت کرے جس سے نکاح متعہ بھی از خود جائز قرار پا جائے۔ ماضی قریب کے چند حنفی مفسرین کے حوالے ملاحظہ فرمائیں جن سب کا خصوصی تعلق دار العلوم دیوبند ہی سے ہے جو پاک و ہند کے علمائے احناف کی مسلمہ مادر علمی

ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم لکھتے ہیں: ''پھر اگر (دو طلاقوں کے بعد) کوئی (تیسری) طلاق بھی دے دے عورت کو تو پھر وہ (عورت) اس (تیسری طلاق دینے والے) کے لیے حلال نہ رہے گی اس کے بعد یہاں تک کہ وہ اس (خاوند) کے سوا اور خاوند کے ساتھ (عدت کے بعد) نکاح کرے (اور اس سے ہم بستری بھی ہو) پھر اگر یہ (دوسرا خاوند) اس (عورت) کو طلاق دے دے (اور عدت بھی گزر جائے) تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ (دوبارہ نکاح کر کے) بدستور پھر مل جاویں....''

(آیت کے اس تفسیری ترجمے کے بعد مولانا تھانوی فرماتے ہیں)

ف: اس کو حلالہ کہتے ہیں جب کوئی شخص اپنی بی بی کو تین طلاق دے گا پھر دوبارہ اس کے ساتھ نکاح کرنے کے لیے یہی حلالے کا طریق شرط ہے......''[1]

مولانا تھانوی نے ''بہشتی زیور'' میں بھی اس مسئلے کا بیان کیا ہے لیکن اس میں اپنے تقلیدی جمود کو نہیں چھوڑا اور حلالے والے نکاح کو حرام اور باعث لعنت قرار دینے کے باوجود نکاح کا جواز تسلیم کیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''اگر دوسرے مرد سے اس شرط پر نکاح ہوا کہ صحبت کر کے عورت کو چھوڑ دے گا تو اس اقرار لینے کا کچھ اعتبار نہیں، اس کو اختیار ہے چھوڑے یا نہ چھوڑے اور جب چاہے چھوڑے۔ اور یہ اقرار کر کے نکاح کرنا بہت گناہ اور حرام ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت ہوتی ہے لیکن نکاح ہو جاتا ہے۔''[2]

مولانا تقی عثمانی صاحب کے والد مفتی محمد شفیع مرحوم اپنی تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''یعنی اگر اس شخص نے تیسری طلاق بھی دے ڈالی (جو شرعاً پسندیدہ نہ تھی) تو اب نکاح کا معاملہ بالکلیہ ختم ہو گیا۔ اس کو رجعت کرنے کا کوئی اختیار نہ رہا اور چونکہ اس نے شرعی حدود سے تجاوز کیا کہ بلا وجہ تیسری طلاق دے دی تو اس کی سزا یہ ہے کہ اب اگر یہ دونوں راضی ہو کر پھر آپس میں نکاح کرنا چاہیں تو وہ بھی نہیں کر سکتے، اب ان کے آپس میں دوبارہ نکاح کے لیے شرط یہ ہے کہ یہ عورت (عدت طلاق پوری کر کے) کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اور حقوق زوجیت ادا کر کے دوسرے شوہر کے ساتھ

---

[1] تفسیر بیان القرآن، ص:75، مطبوعہ تاج کمپنی [2] بہشتی زیور، حصہ چہارم، ص:239، طبع مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی

رہے، پھر اگر اتفاق سے وہ دوسرا شوہر بھی طلاق دے دے (یا مر جائے) تو اس کی عدت پوری کرنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح ہوسکتا ہے۔ آیت کے آخری جملے ﴿فإنْ طلّقها فلا جناح عليهما أنْ يتراجعا﴾ کا یہی مطلب ہے۔ [1]

یعنی والد مرحوم نے اللہ کی منشا یہ سمجھی کہ تیسری طلاق دینے والے کی سزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے طریق حلالہ کے بغیر اب یہ دونوں میاں بیوی باہمی رضا مندی کے باوجود بھی دوبارہ نکاح نہیں کر سکتے لیکن صاحبزادہ گرامی قدر فرماتے ہیں کہ تیسری طلاق بھی دے دی ہے تو کوئی فکر والی بات نہیں ہے ایک دو راتوں کے لیے کسی سے عارضی نکاح کر دیا جائے، پھر اس سے طلاق لے کر (عدت گزارنے کے بعد) دونوں میاں بیوی دوبارہ نکاح کر لیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ یہ تیسری طلاق دینے والے کو ایک مخصوص سزا دے کر طلاق دینے کی حوصلہ شکنی کرنا چاہتا ہے تا کہ گھر برباد نہ ہوں اور بچے والدین کی شفقت اور نگرانی سے محروم نہ ہوں لیکن حلالۂ ملعونہ کو حلال ثابت کرنے والے یا بقول علامہ اقبال: قرآن کو بدلنے (اللہ کی منشا کو ختم کرنے والے) فقیہان حرم طلاق کی حوصلہ افزائی فرما رہے ہیں۔ اور وہ بھی کس وجہ سے؟ کیا ان کے پاس اپنے موقف کی کوئی نقلی دلیل ہے؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ کوئی عقلی دلیل ہے؟ نہیں وہ بھی یقیناً نہیں ہے۔ سوائے اس تقلیدی جمود کے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں جو اہل تقلید کا ہر دور میں شعار رہا ہے اور علم و تحقیق کے اس دور میں بھی وہ اپنی اسی روش پر مصر ہیں اور دلچسپ ترین بات یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی واضح نصوص کے مقابلے میں اس تقلیدی جمود کو یہ علمائے مقلدین خود بھی یکسر ناجائز، حرام اور کفر کے قریب طرز عمل قرار دیتے ہیں، جس کو ہماری اس بات میں شبہ ہو، وہ ''تذکرۃ الرشید'' میں مولانا اشرف علی تھانوی کا وہ مکتوب پڑھ لیں جو مقلدین کے اسی طرز عمل کی بابت انہوں نے مولانا رشید احمد گنگوہی کو تحریر کیا تھا، اور ان کے فتاویٰ امدادیہ میں بھی اس کی صدائے بازگشت سنی جاسکتی ہے اسی قسم کی رائے کا اظہار مولانا محمود الحسن مرحوم نے ''ایضاح الادلۃ'' میں کیا ہے اور خود مولانا تقی عثمانی صاحب نے اپنی تالیف ''تقلید کی شرعی حیثیت'' میں بھی کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی اپنی متعدد کتابوں (حجۃ اللہ البالغہ، عقد الجید، الانصاف اور التفہیمات

---

[1] تفسیر ''معارف القرآن'' 1/ 558-859-1983ء

وغیرہ) میں اس طرز عمل کا شکوہ اور اپنے دکھ کا اظہار کیا ہے۔

طوالت سے بچنے کے لیے ہم نے صرف حوالوں پر اکتفا کیا ہے، تاہم ہم یہاں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا صرف ایک اقتباس پیش کر کے آگے چلتے ہیں کیونکہ یہ بات تو درمیان میں ضمناً نوک قلم پر آ گئی۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں:

''اگر تم اس امت میں یہود کا نمونہ دیکھنا چاہو تو ان علمائے سوء کو دیکھ لو جو دنیا کے طالب اور اپنے اسلاف کی تقلید کے خوگر اور کتاب وسنت سے روگردانی کرنے والے ہیں اور جو عالموں کے تعمق اور تشدد یا ان کے بے اصل استنباط کو سند ٹھہرا کر معصوم شارع کے کلام سے بے پروا ہو گئے ہیں اور موضوع حدیثوں اور فاسد تاویلوں کو اپنا مقتداء بنا رکھا ہے۔ [1]

مولانا عبد الماجد دریا آبادی مرحوم بھی حنفیت کے تقلیدی جمود سے باہر نہ نکل سکے اور اس لعنتی فعل کے ذریعے سے جواز نکاح کے قائل رہے تاہم اس آیت کی وضاحت میں ان کا تفسیری نوٹ نہایت گراں قدر ہے۔ فرماتے ہیں:

''اس شرط کے ساتھ نئے شوہر کا کسی مطلقہ کے ساتھ نکاح کرنا کہ بعد صحبت طلاق دے دی جائے گی تا کہ وہ اپنے شوہر اول کے لیے جائز ہو جائے، حلالہ کہلاتا ہے۔ حدیث میں محلّل یعنی وہ دوسرا شوہر جو نکاح جیسے اہم اور مقدس معاہدے کو پہلے شوہر کی خاطر ایک کھیل اور تفریح کی چیز بنائے دیتا ہے اور محلّل لہ یعنی وہ پہلا شوہر جس کی خاطر معاہدہ نکاح کی اہمیت، سنجیدگی وتقدیس خاک میں ملائی جا رہی ہے، ان دونوں پر لعنت آئی ہے۔'' [2]

لیکن ہم ان حنفی علماء سے پوچھتے ہیں کہ محلّل اور محلّل لہ کو تو آپ مستحق لعنت سمجھ رہے ہیں لیکن جن فقہاء نے اس کو سند جواز دے کر نکاح جیسے سنجیدہ اور مقدس معاہدے کو ایک کھیل اور تفریح کی چیز اور معاہدۂ نکاح کی اہمیت، سنجیدگی وتقدیس کو خاک میں ملایا ہے اور آج بھی ان کی تقلید میں آپ لوگ دین کو کھلونا بنائے ہوئے ہیں، کیا آپ اسلام کی صحیح وکالت، قرآن کی صحیح وضاحت اور شریعت کی صحیح تعبیر کر رہے ہیں؟ اور اگر محلّل اور محلّل لہ ملعون ہیں تو اس لعنتی فعل کو جواز کی سند مہیا کرنے والے کیا ہیں؟

---

[1] الفوز الکبیر، اردو ترجمہ، ص:17، ندوۃ المصنفین، دھلی [2] تفسیر ماجد 1 / 92، مطبوعہ تاج کمپنی

بہر حال بات ہورہی تھی مذکورہ آیت کی بابت اردو مفسرین کے توضیحی نوٹس کی، اس ضمن میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ خود مولانا تقی عثمانی صاحب نے بھی ''آسان ترجمۂ قرآن'' کے نام سے ایک مختصر تفسیر لکھی ہے۔ موصوف اس میں ﴿الطلاق مرتان﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ پہلی اور دوسری طلاق میں عدت کے اندر رجوع اور عدت گزر جانے کے بعد میاں بیوی کے درمیان دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔ اور پھر آیت

﴿فَإِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعۡدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهُۥ﴾ [البقرۃ: 230]

(اگر وہ تیسری طلاق بھی دے دے تو) کے تحت لکھتے ہیں:

''تین طلاقوں کے بعد دونوں راستے بند ہوجاتے ہیں اور تعلقات کی بحالی کا کوئی طریقہ باقی نہیں رہتا۔''[1]

اب اس آیت کے عموم سے اگر بہ نیت تحلیل نکاح کا جواز نکلتا ہے جیسا کہ انہوں نے ''درس ترمذی'' میں یہ استدلال پیش کر کے اس سے یہ جواز ثابت کیا ہے تو پھر ''آسان ترجمۂ قرآن'' میں یہ کہنا کہ ''تینوں طلاقوں کے بعد تعلقات کی بحالی کا کوئی طریقہ باقی نہیں رہتا'' کس طرح درست ہے؟ اگر قرآن کی آیت کی وہ تفسیر صحیح ہے جو انہوں نے اپنی تفسیر میں کی ہے تو ''درس ترمذی'' میں بیان کردہ استدلال اور اس سے ایک تیسرا راستہ نکالنا غلط ہے اور اگر ''درس ترمذی'' والی بات صحیح ہے تو پھر تفسیر والی بات غلط ہے۔

مولانا تقی عثمانی صاحب سے سوال

اس کی وضاحت وہ خود ہی فرمائیں گے کہ ان میں سے کونسی بات درست اور کونسا استدلال صحیح ہے؟ قرآن کریم کی بیان کردہ وضاحت جس کی صحیح تفسیر کرنے کی توفیق اللہ نے آپ کو دی یا ''درس ترمذی'' کا وہ استدلال جو آپ نے خانہ ساز اصول کی آڑ لے کر تقلیدی جمود میں پیش کیا؟ اور جس سے تین طلاقوں کے بعد بھی ایک نہایت آسان راستہ تعلقات کی بحالی کا کھل جاتا ہے جو قرآن کریم کی رو سے نہیں کھلتا۔ اس نہایت آسان راستے میں البتہ یہ ضرور ہے کہ انسان کو بے غیرت اور لعنت الٰہی کا مورد بننا پڑتا ہے لیکن اس کا یہ فائدہ ضرور ہے کہ تقلید کا طوق زرّین محفوظ رہتا ہے۔

---

[1] آسان ترجمۂ قرآن، ص: 143-144

علمائے احناف سے بھی چند سوال

1. علمائے احناف بھی اس کی وضاحت فرمائیں کہ بے غیرتی اور لعنت الٰہی والا راستہ پسندیدہ ہے یا تقلیدی جمود کا راستہ جس میں قرآن وحدیث کی نصوص صریحہ سے گریز کیے بغیر آدمی نہیں چل سکتا۔؟
2. یہ بھی وضاحت فرمائی جائے کہ اسلام بے غیرتی والا دین ہے یا غیرت والا؟ اسلام نے کسی بھی مرحلے میں بے غیرتی کی تعلیم دی ہے؟
3. نیز کیا اسلام میں ایک شخص کے جرم کی سزا کسی دوسرے شخص کو دی جاسکتی ہے؟ تیسری طلاق دینے کا جرم تو مرد (خاوند) کرتا ہے لیکن آپ حضرات اس کی سزا عورت (بیوی) کو دیتے ہیں کہ ایک دو راتوں کے لیے اسے کرائے کے سانڈ کے حوالے کردیتے ہیں۔ کیا اسلام میں اس بے انصافی کی اجازت ہے؟ اور کیا یہ قرآن کریم کی آیت ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ کے خلاف نہیں ہے؟
4. اور کیا یہ فتویٰ حلالہ خلاف عقل بھی نہیں ہے؟ تقاضائے عقل تو یہ ہے کہ جرم کی سزا مجرم کو دی جائے اور آپ حضرات اس کی سزا اس کو دیتے ہیں جو سراسر بے قصور ہے۔ البتہ ایک غیرت مند شوہر کی چند راتیں اس کرب میں ضرور گزرتی ہیں کہ اس کی بیوی کو کب کرائے کے سانڈ سے آزادی ملتی ہے اور وہ ''باعزت'' اس کے پاس واپس آتی ہے؟

عموم قرآن کی تخصیص میں، حدیث رسول سے گریز کے نقصانات

بہرحال بات ہو رہی تھی، قرآن کریم کے الفاظ ﴿حتّٰى تنكح زوجًا غيره﴾ کی کہ حدیث رسول ''لعن اللّٰہ المحلّ و المحلّل له'' نے اس نکاح کو خاص کردیا ہے اس نکاح کے ساتھ جو آباد رہنے کی نیت سے کیا جائے کیونکہ شریعت اسلامیہ میں نکاح کا صرف یہی طریقہ رکھا گیا ہے۔ عارضی نکاح، چاہے وہ متعہ کی صورت میں ہو، حلالہ مروجہ کی صورت میں ہو یا اب بعض متجددین نے ایک تیسرا طریقہ گھڑا ہے کہ کسی ملک میں تعلیم کے دوران میں کسی مقیم عورت سے عارضی طور پر چند مہینوں یا چند سالوں کے لیے نکاح کرلیا جائے۔ یہ سارے ممنوع اور یکسر حرام ہیں۔ اسلام میں نکاح صرف وہی ہے جو ہمیشہ آباد رہنے کی نیت سے کیا جائے اور مذکورہ تینوں صورتوں میں یہ نیت نہیں پائی جاتی بلکہ اس کے برعکس سب میں اغراض فاسدہ کی

کارفرمائی ہے۔ اسلام اغراض فاسدہ کی خاطر نکاح جیسے اہم فریضے کی تقدیس کو خاک میں ملانے کی اجازت کس طرح دے سکتا ہے؟ اس لیے عارضی نکاح کی مذکورہ تینوں صورتیں اسلام میں حرام ہیں اور ان کا ارتکاب کرنے والے ملعون ہیں اور اسی میں فراہی گروہ کی وہ چوتھی صورت بھی آجاتی ہے جو شریعت کے تجویز کردہ حلالے میں ہم بستری کو مولانا تقی عثمانی صاحب کی طرح عموم قرآن کے خلاف قرار دیتا ہے اس گمراہی کی بنیاد بھی حدیث رسول سے گریز ہی ہے۔ مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ ﴿تنکح﴾ کے عموم کو ہم حدیث (خبر واحد) سے مخصوص نہیں کر سکتے، یہ قرآن کریم پر زیادتی اور فراہی گروہ بھی کہتا ہے کہ ہم بستری کی شرط عموم قرآن کے خلاف اور قرآن پر زیادتی ہے۔

گویا حدیث رسول سے قرآن کریم کی تفسیر وتوضیح اور اس کے عموم کی تخصیص، قرآن پر زیادتی ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک حدیث رسول کی ایسی بے توقیری اور بے حیثیتی سے ہزار بار پناہ۔

1 محترم! اول تو یہ باتیں منکرین حدیث کی ہیں جو حدیث کو حجت نہیں مانتے اگر آپ بھی صرف انہی حدیثوں کو مانتے ہیں جو خود ساختہ فقہ کے مطابق ہیں اور جو فقہ میں بیان کردہ مسائل کے خلاف ہیں وہ (نعوذ باللہ) قرآن پر زیادتی ہیں اور مردود ہیں تو منکرین حدیث بھی تو ان حدیثوں کو مانتے ہیں جو ان کی عقول حیلہ ساز کے مطابق ہیں (بالکلیہ حدیث کے منکر تو وہ بھی نہیں) تاہم ان حدیثوں کو وہ بھی قرآن پر زیادتی قرار دے کر ردّ کر دیتے ہیں جو ان کے خود ساختہ ''نظام ربوبیت'' کے خلاف ہیں اور تکنیک وہ بھی یہی اختیار کرتے ہیں کہ قرآن کے عموم کی تخصیص حدیث رسول سے نہیں ہو سکتی۔

جیسے رجم (سنگساری) کا مسئلہ ہے منکرین حدیث کہتے ہیں قرآن کریم میں ﴿ الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ﴾ [النور: 2] ترجمہ: ''زانی مرد اور زانی عورت، ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو'' عام ہے جس میں کنوارے اور شادی شدہ دونوں شامل ہیں اس لیے دونوں کی سزا ایک ہی ہے، سو کوڑے۔ (فراہی گروہ بھی یہی کہتا ہے جس کا ایک اور نام غامدی گروپ بھی ہے)

قرآن کے اس عام حکم کی بابت یہ کہنا کہ حدیث رسول کی رو سے یہ سزا صرف غیر شادی شدہ مرد وعورت کے لیے ہے اور حدیث نے اسے صرف کنواروں کے لیے خاص کر دیا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شادی شدہ زانیوں کو رجم کی سزا عملاً دی بھی ہے اور اپنے فرمان کے ذریعے سے شادی شدہ زانیوں کے لیے یہی سزا بیان بھی فرمائی ہے لیکن منکرین حدیث اور فراہی گروہ کا پرنالہ وہیں کا وہیں ہے اور ان کا راگ یہی

ہے کہ سزائے رجم کا اثبات قرآن کے عموم کے خلاف اور قرآن پر زیادتی ہے۔

بتلایئے! منکرین حدیث (قدیم وجدید) میں اور اہل فقہ میں فرق کیا ہے؟ قرآن کریم کی تفسیر اور حدیث کی حجیت میں دونوں کا طرز استدلال اور طرز عمل ایک ہے۔فرق کہاں ہے؟

❷ یہ کہنا کہ ہم "خبر واحد" سے عموم قرآن کی تخصیص کے قائل نہیں اور صرف اسے ہی قرآن پر زیادتی قرار دیتے ہیں۔

تو ہم کہتے ہیں کہ اول تو یہ "دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے" والی بات ہے یعنی اپنے دل کو مطمئن کرنے یا دل کو دھوکہ دینے والی بات ہے کہ ہم حدیث کا انکار نہیں کر رہے ہیں، حدیث آحاد کا انکار کر رہے ہیں۔سوال یہ ہے کہ حدیث آحاد سے قرآن کے عموم کی تخصیص نہیں ہوسکتی، یہ اصول کس نے بنایا یا بتلایا ہے؟ کیا اللہ نے نازل کیا ہے کہ میرا قرآن بہت مقدس ہے، اس کے عموم کی تخصیص حدیث آحاد سے نہیں کرنا، یہ میرے مقدس کلام کی توہین یا اس پر زیادتی ہے؟ یا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بتایا ہے جن کی تقلید کا دم آپ بھرتے ہیں کہ میرا قول خبر واحد (حدیث رسول) سے زیادہ اہم ہے، اس لیے جب خبر واحد سے اس کا ٹکراؤ ہو تو میرا قول اس پر مقدم ہے، اسی لیے آپ مسئلہ زیر بحث میں رسول اللہ ﷺ کے ثابت شدہ صحیح فرمان کو خبر واحد کہہ کر ٹھکرا رہے ہیں محض اس لیے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حلالۂ ملعونہ کے ذریعے سے نکاح اگرچہ مکروہ ہے لیکن ہوجاتا ہے۔تو کیا یہ اصول امام صاحب یا ان کے تلامذہ صاحبین کا بنایا ہوا ہے؟

آخر یہ اصول کس نے بنایا ہے جو منکرین حدیث کی فکر سے ہم آہنگ اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین سے مجرمانہ حد تک بے اعتنائی کا مظہر ہے؟

پھر یہ "اصول" اگر اتنا ہی "مقدس" ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان بھی اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا تو فقہ کے بہت سے مسائل بھی اس سے ٹکراتے ہیں تو وہاں اس اصول کو کیوں استعمال نہیں کیا جاتا اور اس سے متضاد فقہ کے مسائل کو کیوں رد نہیں کیا جاتا؟

جیسے فقہ حنفی کا مسئلہ ہے کہ حق مہر دس درہم سے کم مقرر کرنا جائز نہیں ہے حالانکہ قرآن کے عموم سے حق مہر کی کمی بیشی جائز ہے اور احادیث میں تو بڑی صراحت سے اس کے ثبوت موجود ہیں۔کیا کم از کم دس درہم حق مہر مقرر کرنے کو لازم قرار دینا، قرآن کے عموم کی تخصیص نہیں ہے؟

عموم قرآن کی اس تخصیص کے لیے علمائے احناف کے پاس کونسی متواتر حدیث ہے؟ بلکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس فقہی مسئلے کے اثبات کے لیے جو قرآن وحدیث کے خلاف ہے، علمائے احناف کے پاس متواتر حدیث تو کجا کوئی صحیح خبر واحد بھی نہیں ہے۔ یہ فقہی مسئلہ سراسر ضعیف حدیث پر مبنی ہے جبکہ صحیح ترین احادیث کی رو سے کم سے کم مہر حتی کہ تعلیم قرآن یا قبول اسلام (کسی مرد کا) کو بھی حق مہر مقرر کیا جاسکتا ہے۔

کیا مشق ناز کے لیے احادیث رسول ہی رہ گئی ہے؟ کیا فقہ کے بے سروپا مسائل، احادیث رسول سے ثابت شدہ مسائل کے مقابلے میں زیادہ اہم ہیں کہ ان کو تو صحیح احادیث کے باوجود خبر آحاد کہہ کر نہایت آسانی سے رد کر دیا جاتا ہے لیکن فقہی مسئلہ بے دلیل ہونے اور عموم قرآن کے خلاف ہونے کے باوجود محترم اور مقدس ہے۔ یہ حدیث رسول کو ماننا ہے یا فقہ کو ماننا ہے؟ قرآن کو ماننا ہے یا تقلیدی جمود کا مظاہرہ ہے؟

یہ تو بات واضح کرنے کے لیے ایک مثال دی ہے ورنہ فقہ حنفی کے متعدد مسائل ہیں جو عموم قرآن کی تخصیص پر مبنی ہیں اور ان کے لیے ان کے پاس متواتر احادیث تو کجا سرے سے کوئی خبر واحد بھی نہیں ہے جیسے نصاب سرقہ کا مسئلہ ہے، نبیذ تمر سے وضو کرنے کا مسئلہ وغیرہ۔ ان کے اثبات کے لیے ان کے پاس کونسی معقول دلیل ہے اور کس بنیاد پر انہوں نے ان کی وجہ سے قرآن کے عموم کی تخصیص کر کے قرآن پر زیادتی کی ہے؟

خبر واحد کی حجیت سے انکار صرف انہی مسائل میں کیوں جو فقہ کے خلاف ہیں اور جو مسائل فقہ حنفی میں ہیں اور وہ عموم قرآن کے خلاف ہیں ان میں خبر واحد حجت کیوں ہے؟ بلکہ وہاں تو ضعیف حدیث بھی جو سرے سے دلیل ہی نہیں ہے وہ بھی حجت ہے۔ حدیثی مسائل اور فقہی مسائل کے اثبات میں یہ دوعملی بلکہ ایک کے ساتھ معاندانہ اور دوسرے کے ساتھ مفاہمانہ طرز عمل کیوں؟

اور اس سے کیا یہ پتہ نہیں چلتا کہ آپ کو اصل محبت تو خود ساختہ فقہ اور اس کے مسائل سے ہے اور قرآن وحدیث کے ساتھ آپ کا معاملہ صرف واجبی سا ہے بلکہ ان کا استعمال اور اس سے استدلال ایک خصوصی غرض (فقہی مسائل کے اثبات) کی وجہ سے ہے، جہاں یہ غرض پوری ہوتی ہے وہاں خبر واحد تو کیا ضعیف و منقطع حتی کہ موضوع روایات بھی قابل قبول، بصورت دیگر صحیح ترین احادیث بھی وضعی اور خود ساختہ اصولوں کی سان پر چڑھا کر مردود قرار دے دی جاتی ہیں۔ چہ خوب

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

❸ پھر قرآن کے عموم سے اگر حلالۂ معلونہ کے ذریعے نکاح کا جواز ثابت ہے تو پھر شیعوں کا نکاح متعہ بھی جائز ہونا چاہیے، کیونکہ قرآن کے عموم سے آپ اس کو کس طرح خارج کریں گے؟ حدیث کے ذریعے سے تو یقیناً نکاح متعہ خارج ہوسکتا ہے، حرام قرار پاسکتا ہے کیونکہ حدیث قرآن کی مخصّص ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ حدیث متواتر ہے یا خبر واحد، صرف اس کا صحیح ہونا شرط ہے لیکن اگر حدیث کو عموم قرآن کا مخصّص نہیں مانا جائے گا تو صرف نکاح حلالۂ ملعونہ ہی جائز نہیں ہوگا بلکہ نکاح متعہ بھی جائز ہوگا اور عارضی نکاح بھی جائز ہوگا جو آجکل بعض حضرات نے تعلیمی ضرورت پوری کرنے کے لیے جائز قرار دیا ہے۔ اسی طرح ہمارے پاک و ہند میں ایک فراہی گروہ ہے جس کو پاکستان میں غامدی گروہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ گروہ بھی اپنے نظریات کے خلاف احادیث کو نہیں مانتا۔ اس لیے یہ گروہ بھی اس حدیث کو نہیں مانتا جس میں دوسرے خاوند کے لیے ہم بستری کو ضروری قرار دیا گیا ہے چنانچہ یہ گروہ ﴿تنکح﴾ کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے صرف عقد نکاح کے بعد ہی (ہم بستری کے بغیر) طلاق دے دینے کے بعد زوج اول سے نکاح کو جائز قرار دیتا ہے۔ عموم کی منطق سے انکار حدیث پر مبنی یہ گمراہانہ نظریہ بھی صحیح ہوگا۔

❹ ...مآخذ شرعیہ میں، قرآن کریم کے بعد سب سے بڑا اور دوسرا ماخذ حدیث نبوی ہے اور احادیث کا بیشتر حصہ، بلکہ 98 فی صد حصہ احادیث آحاد پر مشتمل ہے اگر احادیث آحاد کی صحت و حجیت ۔نعوذ باللہ۔ مشکوک ہے تو دین کی بنیاد ہی منہدم ہوجاتی ہے اس لیے فقیہ الامت، امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح البخاری میں ''کتاب اخبار الآحاد'' میں اس مسئلے یعنی حجیت خبر واحد کو نہایت مدلل طریقے سے بیان کرکے اس کی خصوصی اہمیت کو اجاگر اور ثابت کیا ہے اور بتلایا ہے کہ حدیث صحیح مطلقاً حجت ہے اور اس سے قرآن کے عموم کی تخصیص بھی بالکل صحیح ہے۔

مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

❻ ''اس کے علاوہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول میں زنا کے ساتھ اس عمل کی تشبیہ صرف حرمت میں ہے عدم انعقاد میں نہیں جس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس معاملے میں زوجین کو تفریق کا کوئی حکم نہیں دیا۔'' (درس ترمذی)

تبصرہ

اس کو کہتے ہیں [توجیهه القول بما لا یرضی به القائل] یعنی ''کہنے والے کی بات کی اس طرح توجیہہ کرنا کہ کہنے والا اس کو پسند نہ کرے'' کیونکہ وہ توجیہہ یا تاویل اس کے مقصد اور منشا کے خلاف ہے۔ سیدنا ابن عمر کے قول کی توجیہہ عثمانی بھی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مقصد ومنشا کے یکسر خلاف ہے۔

سیدنا ابن عمر اپنے قول میں نکاح حلالہ کی بابت فرمارہے ہیں کہ ہم اسے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں زنا کاری سمجھتے تھے اور موصوف اس کا مطلب یہ بیان فرمارہے ہیں کہ زنا کے ساتھ نکاح حلالہ کی تشبیہ صرف حرمت میں ہے عدم انعقاد میں نہیں۔انا للہ وانا الیہ راجعون

گویا سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ نکاح حلالہ والا عمل ہے تو یقیناً زنا لیکن نکاح منعقد ہوگیا۔

لیکن نکاح منعقد ہوگیا، والا مطلب، سیدنا ابن عمر کے کن الفاظ سے نکلتا ہے؟ ہمارے فہم سے تو بالا ہے۔ روایت میں تو ایسے کوئی الفاظ نہیں ہیں۔ ہم تو یہی سمجھے ہیں کہ جب سیدنا ابن عمر اس کو زنا کاری فرمارہے ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایسا نکاح حرام ہے وہ نکاح ہے ہی نہیں اگر ان کے نزدیک یہ نکاح صحیح ہوتا تو پھر وہ اسے زنا کاری کیوں کہتے؟ اگر اس کا مطلب وہ لیا جائے جو مولانا تقی عثمانی صاحب بیان فرمارہے ہیں کہ یہ تشبیہ صرف حرمت میں ہے، عدم انعقاد میں نہیں (اگرچہ یہ مطلب ان کے کسی لفظ سے نہیں نکلتا) تاہم اگر اس مطلب کو صحیح مان لیا جائے تو اس کے صاف معنی یہ ہوں گے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک نعوذ باللہ زنا کاری بھی نکاح کے جواز کا ایک ذریعہ ہے۔کیا واقعی ایسا ہے اور زنا سے بھی انعقاد نکاح صحیح ہے؟ اگر واقعی زنا سے بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے تو پھر باقاعدہ نکاح کرنے کی اور اس کے انتظام میں لاکھوں روپے خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ پھر تو کسی عورت کو قابو کرکے اس سے زنا کرلو اور سمجھ لو نکاح ہوگیا اور پھر ساری عمر اس سے زنا کاری کرتے رہو اگر سیدنا ابن عمر کے قول کی یہ حنفی توجیہہ صحیح ہے تو پھر عمل زنا بھی نکاح کا ایک ذریعہ ہے؟۔سبحان اللہ کیا فقاہت ہے؟ اور حنفی مدارس میں قرآن وحدیث کی تدریس کا کیا انداز ہے؟

؎ رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی اہمیت اور اس کی بے بنیاد تاویل

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث جو پہلے پوری بیان ہو چکی ہے، نہایت اہم ہے اس میں وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے اپنے سمیت تمام صحابہ کا یہ موقف بیان فرما رہے ہیں کہ ہم نکاح حلالہ کو زنا کاری سمجھتے تھے۔ ہمارے نزدیک اس سے نکاح حلالہ کا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے نہ کہ انعقاد نکاح کا لیکن اس کے برعکس مولانا تقی عثمانی مسند حدیث پر بیٹھ کر فرما رہے ہیں کہ اس سے عدم انعقاد ثابت نہیں ہوتا۔ گویا یہ الفاظ دیگر جواز نکاح ثابت ہوتا ہے۔ ہم ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر کے کن الفاظ سے انہوں نے یہ مطلب اخذ کر کے اپنی حنفی فقہ ان کے سر منڈھ دی ہے، اس کی وضاحت فرمائیں۔

اپنی بات کو مؤکد کرنے کے لیے آگے انہوں نے فرمایا ہے:

''جس کی تاکید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سیدنا ابن عمر نے اس معاملے میں زوجین کو تفریق کا کوئی حکم نہیں دیا۔''

لیکن ہمارا یہاں بھی یہی سوال ہے کہ مذکورہ روایت کے کن الفاظ سے آپ نے یہ تأثر لے کر اس سے اپنے موقف کی تائید کشید کی ہے۔ روایت میں تو سرے سے اس قسم کے قطعاً کوئی الفاظ ہی نہیں ہیں کہ سیدنا ابن عمر نے تفریق کا کوئی حکم نہیں دیا تھا اس میں تفریق یا عدم تفریق کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے، اس سے عدم تفریق کا تأثر لینا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

اس کو ایک مثال سے اس طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ ایک سائل ایک مفتی صاحب سے پوچھتا ہے: میں نے فلاں طریقے سے ایک عورت سے نکاح کیا ہے، کیا یہ نکاح صحیح ہے؟ مفتی صاحب فرماتے ہیں: یہ تو زنا ہے، رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اس کو زنا سمجھا جاتا تھا۔

فرمایئے! کیا اس جواب سے یہ مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے کہ زنا کے ساتھ اس طریق نکاح کی تشبیہ صرف حرمت میں ہے، عدم انعقاد میں نہیں۔ مفتی صاحب کے قول سے اس کا زنا ہونا تو واضح ہے لیکن اس سے نکاح کا انعقاد ثابت ہو جاتا ہے۔ جبکہ مفتی صاحب نے نکاح کے منعقد ہونے یا نہ ہونے کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا، اسے صرف زنا قرار دیا۔ کیا زنا قرار دینے کے باوجود اس سے انعقاد نکاح کا اثبات کیا جا سکتا ہے؟ یا یہ فتویٰ زنا اور عدم انعقاد نکاح کے بارے میں بالکل واضح ہے، کیونکہ زنا قرار دینے کے بعد مزید کسی بات کی

صراحت کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی لیکن سائل اعلان کرنا شروع کردے کہ مفتی صاحب نے میرے نکاح کو جائز قرار دے دیا ہے۔کیا سائل کا ایسا سمجھنا صحیح ہے؟ یقیناً نہیں ۔آپ سیدنا عبد اللہ بن عمر والی روایت دوبارہ پڑھ لیں،اس میں صرف یہ ہے کہ نکاح حلالہ زنا ہے،اس سے نکاح کا جواز کس طرح ثابت ہوجائے گا؟ آپ افتاء ودرس حدیث کی نہایت اونچی مسند پر بیٹھ کرزنا کاری کے فتویٰ ابن عمر سے، جو حرمت نکاح میں صریح ہے،جواز نکاح کا اثبات فرمارہے ہیں؟﴿إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾[ص: 5]

7 ساتویں آخری دلیل: مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

''نکاح بشرط التحلیل ناجائز ہونے کے باوجود منعقد ہوجاتا ہے،اس پر حنفیہ کی دلیل مصنف عبدالرزاق میں سیدنا عمر کا ایک فتوی ہے۔

[عن ابْن سيرين قال: أرْسلت امْرأةٌ إلى رجلٍ فزوّجتْه نفْسها ليحلّها لزوْجها، فأمره عمر: أنْ يقيم عليْها و لا يطلّقها، وأوْعده بعاقبةٍ إنْ طلّقها]

معلوم ہوا کہ انہوں نے اس نکاح کو منعقد شمار کیا۔ و اللہ اعلم [1]

تبصرہ

اس روایت کا ترجمہ بھی مولانا موصوف نے پیش نہیں کیا۔ پہلے اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمالیں۔

ابن سیرین رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ایک عورت نے ایک مرد سے اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ وہ اسے پہلے شوہر کے لیے حلال کردے(چنانچہ اس نے اس سے نکاح کرلیا،سیدنا عمر کو معلوم ہوا تو) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس مرد کو حکم دیا کہ وہ اس عورت کو اپنے پاس ہی رکھے اور اسے طلاق نہ دے بلکہ کہا: اگر اس نے طلاق دی تو مستوجب سزا ہوگا۔اس سے بقول مولانا عثمانی صاحب معلوم ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک نکاح حلالہ سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔

حالانکہ ابن سیرین، جو سیدنا عمر کے دور کا یہ واقعہ بیان کررہے ہیں، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بالکل آخری دور میں پیدا ہوئے، وہ سیدنا عمر کے دور خلافت میں 5،6 سال کے بچے ہوں گے، وہ

[1] درس ترمذی 3/ 398-401-از مولانا تقی عثمانی کراچی

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ بیان کررہے ہیں؟ اس اعتبار سے یہ روایت سخت منقطع ہے۔اس کے برعکس سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ صحیح سند سے ہم بیان کرآئے ہیں جس میں انہوں نے فرمایا کہ جو بھی حلالہ کرنے والا مرد اور وہ عورت جس سے حلالہ کیا گیا ہو، میرے پاس لائے جائیں گے تو میں ان دونوں کو رجم کی سزا دوں گا۔

اب اہل انصاف، جن کے دل میں ذرا بھی اللہ کا خوف ہے ، فیصلہ کرلیں کہ ایک بے سروپا (سخت منقطع) روایت میں بیان کردہ بات صحیح ہے یا صحیح السند روایت میں بیان کردہ فیصلہ؟ اور جرح وتعدیل کے میزان میں سیدنا عمر کا کونسا فیصلہ صحیح ہے؟

نکاح حلالہ کے زنا کاری ہونے کا یا نکاح حلالہ سے نکاح کے منعقد ہوجانے کا؟

یہ دونوں فیصلے ایک دوسرے کی نقیض اور یکسر متضاد ہیں یہ تو قطعاً نہیں ہوسکتا کہ بیک وقت دونوں کی نسبت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف صحیح ہو؟

ان میں سے یقیناً ایک ہی فیصلہ صحیح ہے، وہ کونسا ہے، صحیح السند والا یا منقطع السند والا؟

صاحب انصاف سے انصاف داد طلب ہے

یہ سات ''دلیلیں''، تھیں جو مولانا تقی عثمانی صاحب نے ایک صریح حرام کو حلال کرنے کی اور زنا کاری کو نکاح ثابت کرنے کے لیے پیش فرمائیں ہیں اور یہ ان کی مطبوعہ کتاب ''درس ترمذی'' میں موجود ہیں، الحمد للہ ہم نے ان کی حقیقت واضح کردی ہے جس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ احناف کا ''نکاح حلالہ'' اور شیعوں کا ''نکاح متعہ'' اصل میں دونوں ایک ہیں اور مذہب کے نام پر زنا کاری ہے۔یہی وجہ ہے کہ کوئی حنفی عالم اپنی بیوی، بیٹی یا بہن کو کبھی حلالہ کے لیے کسی مرد کے حوالے کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا اور اسی طرح کوئی شیعہ ذاکر اور مجتہد، چاہے وہ متعہ کے کتنے بھی فضائل بیان کرے، اپنی بیٹی، بیوی یا بہن کو ''نکاح متعہ'' کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔ کیونکہ یہ دونوں نکاح، نکاح نہیں بے غیرتی کے مظاہر ہیں۔

ایک اور حقیقت کی وضاحت! حنفی مدارس میں تدریس حدیث کا انداز اور مقصد

مولانا تقی عثمانی صاحب کے درسی افادات جو ''درس ترمذی'' کے نام سے شائع ہوئے ہیں، ان سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ احناف کے مدارس میں ''تدریس حدیث'' کے دوران کس طرح احکام حدیثیہ کو توڑ

مروڑ کر اور حق وانصاف کا خون کر کے ''حنفیت'' کے قالب میں ڈھالا جاتا ہے اور یہ روش کسی ایک مدرسے یا کسی ایک شیخ الحدیث کی نہیں ہے بلکہ قرآن وحدیث کو تأویلات رکیکہ کی سان پر چڑھانے کا یہ سلسلہ اور حق وانصاف کا خون کرنے کا یہ رویہ تب سے جاری ہے جب سے ڈیڑھ صدی قبل دار العلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا ہے۔ دار العلوم دیوبند کے اکابر بھی یہی کچھ کرتے رہے ہیں جس کے نمونے ان کے مطبوعہ درسی افادات میں (درس ترمذی ہی کی طرح) دیکھے جاسکتے ہیں، اور ان کے فیض یافتگان پاک وہند کے حنفی مدارس میں یہی کچھ کررہے ہیں اور قریب سے مشاہدہ کرنے والوں کے مشاہدات وتأثرات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

ہم مثال کے طور پر فی الحال ایک واقعہ پیش کرتے ہیں، ورنہ یہ قصۂ درد بھی بڑا طویل ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کے دست راست مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی مرحوم لکھتے ہیں:

''جب میں مصر سے (تعلیم حاصل کر کے) واپس لوٹا تو علم حدیث سے بالکل ناآشنا تھا۔ مصر میں حدیث کی تعلیم کا رواج ہی نہ تھا اور مجھے بڑی طلب تھی۔ ہندوستان کے رسمی مولویوں پر بھروسہ نہ تھا اور کسی واقعی محدث کی جستجو تھی۔ اسی حالت میں مولانا عین القضا صاحب (لکھنؤ) سے ملاقات ہوئی، ان کے پاس ایک اور مقطع شکل کے مولوی صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے مولانا سے عرض کیا کہ علم حدیث سے محروم ہوں، فرمائیے کہاں اور کس سے یہ نعمت مل سکتی ہے؟ مولانا نے کوئی جواب نہ دیا، مسکراتے رہے۔ لیکن مولوی صاحب بول اٹھے: حدیث کی طلب ہے تو دیوبند جائیے، حضرت مولانا انور شاہ صاحب وہاں موجود ہیں۔ ندوہ میں بچپن گزارا تھا، اس لیے دیوبند کے خلاف طبیعت میں تعصب موجود تھا پھر علامہ رشید رضا مرحوم کے درس نے مسلک سلف کا قائل کردیا تھا اس لیے سوال کیا ''مولانا انور شاہ صاحب کا طریق درس کیا ہے؟''

مولوی صاحب نے برجستہ جواب دیا:

''میاں کیا کہنا ان کے درس کا، فقہ حنفی کو حدیث سے اس طرح ثابت کردیتے ہیں کہ بس عش عش کرتے رہو۔''

یہ سن کر میں سناٹے میں پڑ گیا اور مولانا عین القضا صاحب کو طالب رحم نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ پھر مولوی صاحب سے عرض کیا ''اگر حدیث اسی لیے ہے کہ فقہ حنفی کو ثابت کیا جائے تو حدیث پڑھنے کی

ضرورت ہی کیا ہے؟ فقہ حنفی پڑھ لینا ہی کافی ہے۔ مولوی صاحب جز بز تو ہوئے مگر کچھ بولے نہیں۔ [1]

اور اس حقیقت کا اعتراف آخری عمر میں خود مولانا انور شاہ کشمیری نے بھی کیا ہے اور اپنے اس طریق تدریس حدیث کو ''عمر برباد کردی'' سے تعبیر کیا ہے۔ مولانا کشمیری کی یہ روایت خود مولانا تقی عثمانی صاحب کے والد محترم مفتی محمد شفیع مرحوم نے اپنی ایک تقریب میں بیان کی ہے جو ''وحدت امت'' کے نام سے چھپی ہوئی ہے۔ مولانا کشمیری مرحوم کی بھی ایک مثال بطور نمونہ ملاحظہ فرمالیجئے۔ ان کے ترمذی کے درسی افادات ''العرف الشذی'' کے نام سے چھپے ہوئے ہیں۔ اس میں علامہ کشمیری نے بھی حنفیہ کے زیر بحث حلالہ کے جواز میں اسی ابن سیرین کی روایت سے استدلال کیا ہے [1] حالانکہ یہ سخت منقطع روایت ہے۔

حالانکہ علامہ کشمیری کی بابت علمائے احناف یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ایک تو ان جیسا محدث اس دور میں پیدا نہیں ہوا۔ دوسرے، علوم حدیث اور فن اسماء الرجال میں ان کو اتنی مہارت حاصل تھی کہ انہوں نے احادیث میں جمع و تطبیق کا بے مثال کارنامہ سرانجام دیا اور ہر ہر حدیث کو اس کا اصل مقام عطا کیا تیسرے، ان کے درس حدیث کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ہر حدیث حنفی مذہب کی تائید کرتی نظر آتی تھی۔ خود ان کا یہ مقولہ بڑے فخر سے نقل کیا جاتا ہے کہ ''میں نے حنفی مذہب کو اتنا مضبوط کر دیا ہے کہ سو سال تک اس کو کوئی متزلزل نہیں کرسکتا۔''

لیکن مسئلہ زیر بحث میں علامہ کشمیری نے بھی حدیث [لعن اللّٰه المحلّ والمحلّل له] حدیث میں وارد لعنت کو شرط تحلیل کے ساتھ خاص کر کے حلالۂ ملعونہ کو بہ نیت تحلیل نہ صرف جائز بلکہ باعث اجر بھی قرار دیا ہے۔ دوسرے، صحیح حدیث و آثار صحابہ کے مقابلے میں ایک منقطع اثر سے استدلال کیا ہے۔ ایسے شخص سے کیا یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ نصوص قرآن وحدیث کے ساتھ حق وانصاف کا معاملہ کرے گا؟ بالخصوص جبکہ وہ خود بھی امام ابوحنیفہ کی تقلید محض پر فخر کرتا ہو۔ علامہ کشمیری کے صاحبزادے ان کا مقولہ نقل فرماتے ہیں ''میں کسی فن میں کسی کا مقلد نہیں ہوں خود اپنی رائے رکھتا ہوں بجز فقہ کے (اس میں) ابوحنیفہ کی تقلید محض کرتا ہوں۔'' [2]

---

[1] ذکر آزاد، تالیف مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی، ص:26-27

[1] العرف الشذی، ص:263، مکتبہ رحیمیہ، دیوبند

[2] رسالہ سہ ماہی ''حسن تدبیر'' دہلی، امام العصر نمبر، فروری، 2010، ص:50-45

ان کے اس رویے اور اس مثال سے اول الذکر دونوں دعوؤں کی بابت آسانی سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ ان میں کچھ حقیقت بھی ہے یا محض غلو عقیدت کا مظاہرہ اور بے جا مبالغہ آرائی۔

البتہ تیسرا دعویٰ سو فی صد حقیقت پر مبنی ہے کہ ان کی تدریس حدیث کا انداز اور مقصد حنفی فقہ کا اثبات تھا اور اس کے لیے یہ ضروری تھا کہ صحیح احادیث کو کسی نہ کسی طرح مجروح و مطعون اور ضعاف و مراسیل اور منقطع روایات کو قابل حجت ثابت کیا جائے چنانچہ یہی کچھ انہوں نے بھی کیا، ان سے پہلے مولانا احمد علی سہارنپوری، محشی، صحیح بخاری، مولانا محمود الحسن اور مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ نے بھی یہی کیا اور ان کے بعد ہر حنفی مدرسے کا شیخ الحدیث مسند درس پر بیٹھ کر تدریس حدیث کے نام پر حنفیت ہی کی خدمت، یعنی نصوص قرآن وحدیث کو توڑ مروڑ کر، ان کی باطل تاویل اور دور از کار توجیہ کر کے حنفی فقہ کے بے سروپا مسائل کو صحیح باور کرا رہا ہے جیسا کہ مولانا تقی عثمانی صاحب کے درسی افادات (درس ترمذی) بھی اسی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

ملاحظہ فرمائیے! مولانا احمد علی سہارنپوری اسی حدیث محلل کے بارے میں فرماتے ہیں۔ہم ذیل میں ان کی عربی عبارت کا ترجمہ درج کرتے ہیں:

''پہلا لفظ محلّل (اسم فاعل، حلالہ کرنے والا) وہ شخص ہے جس کے ساتھ کسی عورت نے تحلیل کی غرض سے شادی کی۔ دوسرا لفظ مفعول (محلّل لہ) وہ پہلا شوہر ہے جس کی خاطر تحلیل واقع ہو رہی ہے۔ پہلا شخص (محلّل، حلالہ کرنے والا) اس لیے ملعون ہے کہ اس نے جدائی (طلاق) کے ارادے سے نکاح کیا حالانکہ نکاح تو (بیوی کو) ہمیشہ رکھنے کے لیے مشروع کیا گیا ہے پس اس کی حیثیت کرائے کے سانڈ کی مثل ہو گئی جیسا کہ (دوسری) حدیث میں آیا ہے اور دوسرا اس لیے ملعون ہے کہ وہ اس قسم کے نکاح کا سبب بنا ہے اور مراد (اس لعنت سے) ان دونوں افراد کی کمینگی (خساست) کا اظہار ہے اس لیے کہ طبع سلیم ان دونوں کے فعلوں (بے غیرتی والے کاموں) سے نفرت کرتی ہے لعنت کی حقیقت مراد نہیں۔''

خود فرمائیے! کہ حدیث کے الفاظ کی تشریح بھی خوب ہے اور دونوں کے فعل کو کمینگی اور طبع سلیم کے خلاف بھی تسلیم کر رہے ہیں لیکن پھر حنفیت کا رنگ غالب آجاتا ہے اور کہتے ہیں کہ لعنت کی حقیقت مراد نہیں ہے۔ پتہ نہیں، لعنت کی حقیقت، علمائے احناف کے نزدیک کیا ہے؟ دراصل یہ الفاظ حنفیت کے اس رنگ کے غماز ہیں جو صبغۃ اللہ کے مقابلے میں ان پر چڑھا ہوا ہے۔

اسی لیے آگے فرماتے ہیں:

[وقیل المکروہ اشتراط الزوج بالتحلیل فی القول لا فی النیة، بل قد قیل: إنه مأجورٌ بالنیة لقصد الاصلاح]

''اور کہا گیا ہے کہ زبان سے شادی کے وقت حلالے کی شرط کرنا مکروہ ہے، لیکن دل میں نیت ہوتو مکروہ نہیں۔ بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نیت کر کے حلالہ کرنے والا ماجور ہے اس لیے کہ اس کا مقصد اصلاح ہے۔''[1]

یہ وہی باتیں ہیں جن کا بے حقیقت اور خلاف منشائے شریعت ہونا ہم واضح کر آئے ہیں لیکن تقلید کی عینک کی وجہ سے ان کو نظر نہیں آرہی ہیں۔ بھلا ایک لعنتی اور حرام کام بھی اچھی سی نیت کر لینے سے حلال بلکہ باعث اجر ہوسکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں!۔ کوئی بھی لعنت والا کام نہ حلال ہوسکتا ہے اور نہ باعث اجر اور نہ اس کو کوئی قانونی و شرعی حیثیت ہے کہ اس سے شرعی مقاصد حاصل ہوسکیں جیسا کہ اس لعنتی کام سے زوج اول کے لیے دوبارہ نکاح کا جواز ثابت کیا جا رہا ہے۔ زوج اول کے لیے دوبارہ نکاح کے جواز کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ صرف اور صرف وہ حلالۂ شرعیہ ہے جس کی وضاحت قرآن و حدیث میں ملتی ہے۔ اس کے برعکس حلالۂ مروجہ (فقہ حنفی والا) یہ زنا کاری ہے۔ کرائے کے سانڈ کے پاس بھی وہ عورت جتنے دن رہے گی، دونوں عند اللہ زنا کار رہیں گے، پھر زوج اول کے ساتھ اس عورت کے دوبارہ تعلق کی صحیح شرعی بنیاد چونکہ نہیں ہے اس لیے یہ دونوں بھی عمر بھر زنا کار ہی رہیں گے۔ اعاذنا اللہ منھا

فتاوی دار العلوم دیوبند میں ایک سوال کے جواب میں حلالے کا شرعی طریقہ بتلایا گیا ہے اور شوہر ثانی سے شرط طلاق کو مکروہ تحریمی لکھا گیا ہے لیکن پھر مفتی صاحب کی رگ حنفیت پھڑکی اور درّ مختار (فقہ حنفی کی معتبر کتاب) کے حوالے سے یہ عربی عبارت نقل کر دی جس کا مطلب وہی ہے کہ اگر دل میں دونوں کی نیت (عارضی نکاح کر کے چھوڑ دینے کی) ہے تو پھر یہ نکاح مکروہ نہیں ہے بلکہ آدمی قصد اصلاح کی وجہ سے ماجور ہوگا۔[2]

---

[1] الحواشی المفیدة علی جامع الترمذی، ص:341، طبع مکتبہ رحمانیہ اردو بازار، لاھور

[2] فتاوی دار العلوم دیوبند، عزیز الفتاوی، ج:1، ص:512، دار الاشاعت کراچی، 1976ء

مولانا رشید احمد گنگوہی، اس سوال کے جواب میں کہ اگر ایک ماہ بعد طلاق دینے کی شرط پر نکاح ہوا تو یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ فرماتے ہیں: ''نکاح بشرط طلاق بعد ایک ماہ تو بحکم متعہ کے حرام ہے اگر زبان سے یہ شرط کی جاوے، اور جو دل میں ارادہ ہے عقد میں ذکر نہیں ہوا تو نکاح صحیح ہے۔''[1]

اور زمانۂ حال کے ایک اور دیو بندی مفسر قرآن جن کی مفصل تفسیر ''روح القرآن'' کے نام سے چھپ رہی ہے، بہ نگرانی مدیر جامعۃ البنوریہ العالمیہ (کراچی) یہ صاحب اپنی تفسیر میں زیر بحث آیت کی وضاحت میں بعنوان ''حلالۂ شرعیہ کی وضاحت'' لکھتے ہیں:

''حلالہ کے معنی ہیں طلاق والی عورت کا (عارضی) نکاح کرنا تاکہ دوسرے شخص سے نکاح کے بعد وہ عورت اپنے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کرسکے۔''

قرآن مجید کی صراحت و وضاحت کے بعد تین طلاق والی مطلقہ عورت کے اپنے سابقہ شوہر سے دوبارہ نکاح کی ایک صورت باقی رہ جاتی ہے کہ عدت کے بعد اس عورت کا کسی دوسرے شخص سے نکاح ہو اور گھر بسانے کے بعد دوسرے شوہر کا انتقال ہو جائے یا دوسرا شوہر طلاق دے دے اور عدت کے بعد اگر سابقہ شوہر اور یہ عورت دوبارہ نکاح کرنے پر رضامند ہوں تو دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں۔

تبصرہ

حلالہ شرعیہ کی وضاحت موصوف نے صحیح کی ہے، لیکن بریکٹ میں ''عارضی'' کا اضافہ یہاں کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؟ حلالہ شرعیہ میں تو نکاح عارضی ہوتا ہی نہیں ہے، اس میں تو نکاح دوسرے شوہر سے بھی مستقل طور پر آباد رہنے ہی کی نیت سے ہوتا ہے اگر یہ نیت دوام نہیں ہوگی تو وہ حلالہ شرعیہ ہی نہیں ہوگا، وہ تو حلالہ مروجہ ملعونہ ہی ہو جائے گا۔

لیکن چونکہ تقلید کا حسین طوق ان کے بھی زیب گلو ہے، اس لیے ذہن میں یہی سوچ کارفرما ہے کہ بالآخر حلالہ مروجہ کا بھی جواز پیش کرنا ہے، اس لیے موصوف نے حلالہ شرعیہ کی تعریف میں بھی ''عارضی'' کے لفظ کو بریکٹ میں لکھ دیا ہے تاکہ اگلے پیرے میں، جس میں حلالہ غیر شرعیہ کو ثابت کرنا ہے، کچھ سہارا مل جائے کیونکہ اصل مقصود تو اسی کا اثبات ہے، باقی وضاحتیں تو مجبوری ہیں۔ بہر حال اگلے پیرے میں اصل

---

[1] تالیفات رشیدیہ مع فتاوی، ص:383، ادارہ اسلامیات، لاہور 1992ء

مقصود سامنے آجاتا ہے اور فرماتے ہیں:

''اس شرعی اور قانونی ضرورت کو پورا کرنے کی ایک شکل یہ ہے کہ مطلقہ عورت کا دوسرے شخص سے اس شرط پر عارضی نکاح ہو کہ وہ شخص ہم بستری کے بعد اس عورت کو طلاق دے دے گا۔

حلالے کا شرعی اصولوں کے تحت جائزہ لیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ طلاق کی شرط پر نکاح کرنے سے نکاح تو ہو جاتا ہے اگرچہ ایسی شرط لگانا صحیح نہیں ہے، پہلے شوہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کے لیے شریعت نے دوسرے نکاح کی جو شرط لازمی قرار دی ہے وہ پوری ہو جاتی ہے لہٰذا عدت کی تکمیل کے بعد باہمی رضامندی سے پہلے شوہر سے نکاح میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں رہتی۔''

ہم فاضل مفسر یا مفسرین سے پوچھتے ہیں کہ پہلے حلالہ شرعیہ کی جو تعریف آپ نے کی ہے، اگر وہ صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے سوائے ایک لفظ عارضی کے۔ اور حلالے کا شرعی اصولوں کے تحت جائزہ لینے سے آپ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حلالۂ غیر شرعیہ یا حلالۂ ملعونہ سے بھی نکاح ہو جاتا ہے تو پھر حلالۂ شرعیہ اور حلالۂ غیر شرعیہ میں کوئی فرق تو نہ رہا اور وہ کون سے شرعی اصول ہیں کہ ان سے حرام بھی حلال ہو جاتا ہے؟ اور کیا حرام طریقے سے ایک دوسرے جائز کام کے شرعی اور قانونی تقاضے پورے ہو جاتے ہیں؟

اگر ایسا ہے تو پھر حلالۂ مروجہ کو لعنتی فعل کیوں قرار دیا گیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ کے اس لعنت والے فرمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایسا نکاح منعقد ہی نہ ہو اگر اس لعنتی طریقے سے بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے تو پھر اس کو لعنت والا کام ہی کیوں قرار دیا گیا ہے؟ اس کا مطلب تو پھر یہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے (نعوذ باللہ) ایک نہایت آسان طریقے پر خواہ مخواہ بند باندھ دیا ہے گو امتی کہلانے والوں نے بہ لطائف الحیل اس بند کو فقہی موشگافیوں کے ذریعے سے توڑ دیا ہے۔

امت کے خیر خواہ تو یہ حیلہ ساز فقہاء اور ان کے پیروکار اصحاب جبہ ودستار مفتیان کرام اور شیوخ الحدیث ہوئے نہ کہ رسول اللہ ﷺ۔ رسول اللہ ﷺ نے تو اس بے غیرتی والے کام پر اس کو لعنتی قرار دے کر بند باندھا لیکن کہنے والوں نے کہا: چند راتوں کی بے غیرتی سے بھی شرعی اور قانونی ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔

آہ، اقبال نے سچ کہا تھا۔

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پازند [1]

صاحب تفسیر مزید فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور کرانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔''

حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو لعنت فرمائی ہے وہ طلاق کی شرط کی وجہ سے ہے اگر بلا شرط کے یہ کام ہو تو لعنت بھی نہیں ہے۔ شرط کے ساتھ ہو تو بھی قانونی ضرورت پوری ہو جاتی ہے مگر گناہ کے ساتھ۔ اور بغیر شرط کے ہو تو لعنت و گناہ کا کوئی عنصر (Element) پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود حلالے کی تحسین کی گنجائش قطعاً نہیں ہے۔'' [2]

اس عبارت میں صاحب تفسیر کی ژولیدہ خالی، پریشان فکری اور حرام کو حلال ثابت کرنے کی سعئ مذموم میں ضمیر کی کشمکش کو آسانی سے ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمائیے! پہلے موصوف نے فرمان رسول کی از خود ایک علّت (وجہ) وضع کی۔

دوسرے نمبر پر فرمایا: وہ علت (شرط طلاق) نہ ہو تو لعنت بھی نہیں۔

تیسرے نمبر پر فرمایا: شرط کے ساتھ ہو تو بھی قانونی ضرورت پوری ہو جاتی ہے مگر گناہ کے ساتھ۔

چوتھے نمبر پر فرمایا: اس کے باوجود حلالے کی تحسین کی قطعاً گنجائش نہیں۔

سوال یہ ہے کہ جب آپ نے پورے شرح صدر کے ساتھ حدیث رسول کی خود ہی ایک عدت گھڑ کر یہ فیصلہ کر دیا کہ بہ نیت تحلیل نکاح میں یہ علت (شرط طلاق) چونکہ نہیں ہوتی اس لیے سرے سے لعنت والا کام ہی نہیں ہے اور مزید رعایت دیتے ہوئے فرما دیا کہ شرط طلاق کے ساتھ بھی نکاح ہو تو قانونی ضرورت تو پوری ہو ہی جاتی ہے گو گناہ کے ساتھ ہی سہی۔

اس طرح حدیث رسول کی ساری اہمیت کو ختم اور اس کے اصل مقصد و غایت کو غتربود کر کے حلالۂ ملعونہ کا مکمل طور پر جواز فراہم کر دیا۔ اس کے بعد تو سارا مسئلہ ہی ختم اور ساری بحث ہی تمام ہو جاتی ہے۔

---

[1] بال جبریل، ص:20

[2] تفسیر روح القرآن 1/589-590، زیر نگرانی شیخ الحدیث مفتی محمد نعیم، مدیر جامعہ البنوریۃ العالمیۃ کراچی

لیکن مفسر موصوف اس ساری کدّوکاوش اور فکری جانکاہی کے باوجود اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے میں ناکام ہی رہے اور دل و دماغ کو اس کشمکش سے پاک نہ کر سکے کہ جس کام پر اللہ کے رسول نے لعنت فرمائی ہے، اس لعنت کا تقاضا تو اس کام کی حرمت وممانعت ہے، نہ کہ اس کی حلت اور اس کا جواز؟ چنانچہ سب کچھ کرنے اور سارے پاپڑ بیلنے کے باوجود، ضمیر کی خلش نے ان کے قلم سے بالآخر یہ الفاظ بھی لکھوا دیے۔

''اس کے باوجود حلالے کی تحسین کی گنجائش قطعاً نہیں ہے۔''

محترم! کیوں نہیں؟ جب آپ کی فقہی نکتہ سنجیوں اور تقلیدی موشگافیوں سے وہ کام حرام ہی نہیں رہا، بلکہ حلال ہوگیا اور حلال ہی نہیں ہوا بلکہ اجر وثواب کا باعث ہوگیا، تو اس کی تحسین کیوں نہیں کی جاسکتی؟ کیا اجر وثواب والے کام کی بابت یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ قابل تحسین نہیں!؟ اب دو ہی باتیں ہیں، یا تو حلالۂ ملعونہ کو حلال کرنے کی کوشش قابل تحسین نہیں اور اگر یہ کوشش قابل تحسین ہے تو پھر یہ فرمان غلط ہے کہ حلالۂ ملعونہ کی تحسین کی قطعاً گنجائش نہیں۔ دونوں باتیں بیک وقت صحیح نہیں ہوسکتیں۔

احکام شرعیہ میں علّت کا مسئلہ

احکام شرعیہ میں علت کا مسئلہ اپنی جگہ ایک اہمیت کا حامل ضرور ہے۔ لیکن اس کی اصل حیثیت کیا ہے؟ اس سے اکثر بے خبر ہیں۔ علاوہ ازیں اس دور میں شریعت کے اصل احکام سے انحراف کرنے والے (منکرین حدیث، مغرب زدہ مستغربین اور مشکّکین) نے اس کو اپنی فکری گمراہی اور استشراقی فکر کے اثبات کا ذریعہ بنایا ہوا ہے، اور شریعت کے جس مسئلے سے جان چھڑانی ہو، وہاں وہ یہی ذریعہ اختیار کرتے ہوئے اپنی طرف سے ایک علت گھڑ کے کہتے ہیں کہ اس کی اصل علت یہ تھی، اب چونکہ یہ علت باقی نہیں رہی اس لیے یہ حکم بھی باقی نہیں رہا، اس طرح عورتوں کے بارے میں اسلام نے عورت کی عصمت وتقدس کے تحفظ کے لیے جو احکام دیے ہیں (مثلاً: پردہ، صرف گھریلو امور کی ذمے داری وغیرہ) وہ ان سب کو ختم کر کے مغرب کی طرح عورتوں کے لیے ہر طرح کی آزادی کو اسلام کا حکم باور کرانا چاہتے ہیں۔

''روح القرآن'' کے فاضل مؤلف یا مؤلفین نے اپنے حلالۂ ملعونہ کے اثبات کے لیے اس علت کے ہتھیار کو بھی استعمال کیا اور مذکورہ ضالّ اور مضلّ گروہوں کی طرح اپنی طرف سے ایک علت گھڑ کے اس لعنت والے کام سے لعنت والا عنصر ختم کر کے اس کو ملعون کے بجائے ماجور (باعث اجر) قرار دے دیا ہے جیسا

کہ ان کے فقہائے متقدمین ومتأخرین کا موقف چلا آرہا ہے۔ ''روح القرآن'' کے مؤلف نے اس کی کیا علت بیان کی ہے؟ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ ان شاء اللہ اس پر گفتگو ہوگی۔ اس سے پہلے آپ علت کے مسئلے کی اصل حیثیت سمجھ لیں۔

احکام شرعیہ میں اصل چیز اطاعت ہے، جو بھی اللہ رسول کا حکم ہو، اس کی علت کیا ہے؟ اس بحث میں پڑے بغیر، اس کا ماننا، اس پر بلا چوں وچراں عمل کرنا فرض ہے۔ اس لیے کہ مسلمان وحئ الٰہی کا پابند ہے، اس کی عقل میں آئے یا نہ آئے۔ ہر شخص کی عقل الگ الگ ہے، اگر عمل کرنے کے لیے عقل میں آنا ضروری ہوتا تو حکم الٰہی اور احکام شرعیہ بازیچۂ اطفال بن کر رہ جاتے، کوئی کہتا: یہ عمل معقول ہے۔ کوئی کہتا: میری عقل میں یہ بات نہیں آتی۔ کوئی کہتا: یہ حکم اس طرح ہوتا تو زیادہ صحیح ہوتا۔ اس لیے اسلام میں عقل کو یہ مقام نہیں دیا گیا ہے کہ مسلمان حکم الٰہی کو اپنی عقل کے پیمانے سے جانچے پرکھے، بلکہ اپنی عقل کو حکم الٰہی کا پابند بنا کر رکھے کیونکہ ہر حکم الٰہی کی حکمت، علت اور غایت تک ہر شخص کی عقل کی رسائی نہیں ہوسکتی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب ابوجہل نے جا کر بتلایا کہ تیرا پیغمبر تو اب یہ کہہ رہا ہے کہ وہ راتوں رات بیت المقدس سے ہوکر واپس آگیا ہے، کیا تو اب بھی اس کی بات مانے گا؟ ابوجہل کو یقین تھا کہ ابوبکر اس کے ماننے میں یقینا تأمل کرے گا۔ لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر واقعی میرے پیغمبر نے یہ کہا ہے تو سچ کہا ہے کیونکہ میرے پیغمبر پر تو وحی آتی ہے تو جب میں اپنے پیغمبر کی وحی پر مبنی تمام باتیں تسلیم کرتا ہوں تو پیغمبر کی زبان سے اقرار کردہ واقعۂ اسراء کا انکار میں کس طرح کرسکتا ہوں؟

یہ ہے ایک مسلمان کا طرز عمل، وہ حکم الٰہی اور فرمان پیغمبر کے مقابلے میں اپنی عقل کو استعمال نہیں کرتا، اس کا مطلب یہ نہیں کہ احکام الٰہیہ عقل کے خلاف ہیں اس لیے عقل کے استعمال کی اجازت نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر حکم الٰہی کی حکمت وغایت تک ہر عقل کی رسائی ممکن نہیں، تو جس چیز کی حکمت انسان کی عقل میں نہ آئے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خلاف عقل ہے بلکہ وہ اس کی عقل وفہم سے ماورا ہے۔ انسانی عقل محدود ہے، ضروری نہیں کہ ہر بات کی حقیقت تک اس کی رسائی ہوجائے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ احکام الٰہیہ میں عقل وقیاس کے استعمال کی اجازت نہیں ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مشہور مقولہ ہے:

''اگر دین میں عقل ورائے کا دخل ہوتا تو جرابوں پر مسح اوپر والے حصے کی بجائے نچلے حصے پر کرنے کا حکم ہوتا۔''

دین کے بہت سے احکام ہیں۔ جن کی حکمت ومصلحت آسانی سے سمجھ (عقل) میں آجاتی ہے لیکن متعدد احکام ایسے بھی ہیں جن کی حکمت صرف اللہ ہی جانتا ہے، انسانی عقل کی رسائی وہاں تک ممکن نہیں لیکن ہر دو کا ماننا مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

یہی مسئلہ احکام شرعیہ کی علت کا ہے، ہر حکم کی علت بیان نہیں کی گئی ہے اکثر احکام علت کے بغیر ہی بیان کیے گئے ہیں، ان کی علت سمجھے بغیر ان پر عمل کرنا ضروری ہے البتہ بعض احکام ایسے ہیں کہ ان کی علت بیان کی گئی ہے یا ان کی علت آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے۔

جن کی علت بیان ہوئی ہے یا ان کی علت آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے، ان میں بھی ضروری نہیں کہ ارتفاع علت سے حکم کا ارتفاع ہوجائے۔ بعض احکام میں ارتفاع علت کے باوجود خود شریعت نے حکم باقی رکھا ہے، جیسے حج کے طواف میں رمل کا حکم ہے۔ یہ حکم ایک خاص پس منظر کی وجہ سے دیا گیا تھا، لیکن اس علت کے مرتفع ہوجانے کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں رمل کر کے واضح کر دیا کہ اس حکم کی علت اگرچہ ختم ہوگئی لیکن چونکہ اس علت کا ایک تاریخی پس منظر تھا اس لیے اس پس منظر کی یادگار کے طور پر علت کے خاتمے کے باوجود رمل کے حکم کو باقی رکھا گیا۔

اسی طرح جمعے کے دن غسل کی وجہ (علت) بعض احادیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ عدم وسائل اور پانی کی کم یابی کی وجہ سے پرانے کپڑوں ہی میں اور نہائے بغیر جمعہ پڑھنے کے لیے آجاتے تھے جس سے دوسرے لوگوں کو (بالخصوص موسم گرما میں) کو تکلیف ہوتی تھی جس کی وجہ سے غسل کرنے اور صاف ستھرے کپڑے پہن کر، خوشبو اور تیل لگا کر آنے کا حکم دیا گیا۔ اب یہ علت تو نہیں رہی لیکن غسل کی فرضیت (یا استحباب بہ اختلاف قولین) باقی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عورتیں ایک ہی ہال (مسجد نبوی) میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فرض نمازیں پڑھا کرتی تھیں، مردوں کی صفیں آگے اور عورتوں کی صفیں پیچھے ہوتی تھیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو سلام پھرتے ہی مسجد سے باہر نکلنے سے روک دیا تاکہ پہلے عورتیں نکل جائیں اور ان کا مردوں سے اختلاط نہ ہو۔ اب یہ علت واضح ہے اس لیے اب یہ حکم نہیں دیا جاسکتا کہ مرد حضرات سلام پھرتے ہی مسجد سے باہر نہ نکلیں، یہ ارتفاع علت سے ارتفاع حکم کی ایک واضح مثال ہے۔

مقصود ان مثالوں سے اس امر کو واضح کرنا ہے کہ اس بارے میں ایک تو کوئی قاعدہ کلیہ بیان نہیں

کیا جاسکتا، دوسرے، جس حکم کی نفی، ارتفاع علت کی وجہ سے کی جائے، وہ علت واضح اور صریح ہو، اس میں کوئی اشتباہ نہ ہو۔

بنابریں جس مسئلے میں ارتفاع علت کا حکم لگا کر ارتفاع حکم کا اثبات کیا جائے، اس کے لیے دو چیزیں ضروری ہوں گی۔

ایک یہ کہ جو علت بیان کی جارہی ہے، وہ شرعی دلائل سے ثابت اور واضح ہو کہ واقعی اس حکم کی یہی علت تھی جس کی بناء پر حکم دیا گیا تھا جیسے پچھلی صفوں میں عورتوں کے نماز پڑھنے کی وجہ سے مردوں کو حکم دیا گیا تھا۔

دوسری یہ کہ اس حکم کی اس کے سوا کوئی اور علت نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اس حکم میں کئی علّتیں مضمر ہوں، ایسی صورت میں کسی ایک علت کے ارتفاع سے وہ حکم ختم نہیں ہوگا بلکہ باقی رہے گا۔

حکم لعنت میں بیان کردہ علّت کی حقیقت

اس بنیادی وضاحت کی روشنی میں ہم حنفی مفسر کی بیان کردہ علت کا جائزہ لیتے ہیں تو صاف واضح ہوجاتا ہے کہ ان کی بیان کردہ علت کے لیے ان کے پاس کوئی واضح شرعی دلیل اور قرینہ نہیں ہے بلکہ منحرفین کی طرح ایک خودساختہ علت ہے جس کی بناء پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک فرمان سے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔

وہ حدیث [لعن الله المحل ...الحديث] میں لعنت کی علت طلاق کی شرط قرار دیتے ہیں، حالانکہ حدیث کے الفاظ یا دیگر شرعی قرائن سے ان کی بات کی قطعا تائید نہیں ہوتی بلکہ اول تو دیگر احکام شرعیہ کی طرح یہ حکم بھی بغیر کسی علت کے بیان ہوا ہے، اس لیے ہم اپنی طرف سے اس کی علت گھڑ کر اس حکم کو کالعدم نہیں کرسکتے۔ یہ حکم شریعت کے مقابلے میں ایک نہایت شوخ چشمانہ جسارت ہے۔ ثانیاً اس حکم لعنت پر غور کیا جائے جیسا کہ مفسر مذکور نے غور کیا لیکن انہوں نے چونکہ تقلیدی عینک چڑھائی ہوئی ہے تو اس میں وہی رنگ نظر آیا جو ان کی عینک پر لگے ہوئے تقلیدی شیشے کا رنگ تھا، لیکن نظر حقیقت اور صاف عینک سے دیکھا جائے تو اس میں کارفرما علت اگر کوئی ہوسکتی ہے تو ایک نہیں، چار علتیں ہیں۔

پہلی علت: غیرت کا تحفظ، **دوسری علت:** انصاف کی علمبرداری **تیسری علت:** نسب اور خاندانی نظام کا

تحفظ، چوتھی علت: اسلامی معاشرے سے کرائے کے سانڈوں (زنا کاروں) کا خاتمہ۔

اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں

1 چند راتوں کے لیے طلاق کی شرط کر کے ایک خوبرو نوجوان لڑکی کو کسی کے سپرد کر دینا، غیرت کے خلاف ہے، کوئی غیرت مند مرد اس کو برداشت کر سکتا ہے نہ کوئی غیرت مند عورت، بالخصوص جبکہ وہ جوان بھی ہو اور حسن و جمال میں بھی یکتا۔ اس حکم لعنت میں کارفرما علت اس بے غیرتی کا سد باب ہے۔ جو دین حیاوعفت کی اعلیٰ تعلیمات کا حامل ہو، وہ حلالۂ ملعونہ جیسی بے غیرتی کو کب برداشت کر سکتا ہے؟

2 تیسری طلاق دینے کا مجرم مرد ہے نہ کہ عورت۔ عدل وانصاف کا تقاضا ہے کہ جرم کی سزا مجرم (مرد) کو ملے نہ عورت کو، جو یکسر بے قصور ہے۔ لیکن حلالۂ ملعونہ میں سزا عورت کو بھگتنی پڑتی ہے اور اس کو چند راتیں چار و ناچار کسی بوالہوس کے پاس گزارنی پڑتی ہیں اور اگر اس کی نیت خراب ہو جائے اور وہ طلاق دینے سے انکار کر دے، تو وہ عورت تو پھر عمر بھر اس روگ اور غم میں مبتلا رہے گی کہ اس کی راتیں اس کی پسندیدہ شوہر کے بجائے اس سانڈ کے پہلو میں گزر رہی ہیں جسے وہ پسند نہیں کرتی اور اس کی تو خدمات عارضی طور پر ایک کرائے دار کی حیثیت سے حاصل کی گئی تھیں، لیکن وہ میرا مالک بن بیٹھا۔ ذرا تصور کیجیے! ایک غیرت مند عورت کے لیے یہ تصور کس طرح روح فرسا اور اعصاب شکن رہے گا۔ کیا اسلام اس بے انصافی کا علمبردار ہو سکتا ہے؟

علاوہ ازیں اسلام کا حکم ہے کہ عورت کی شادی کرتے وقت اس کی رضامندی بھی حاصل کرو، اور جو شخص اس کو ناپسند ہو وہاں بالجبر اس کا عقد مت کرو۔

حلالۂ ملعونہ میں جو نکاح کا ناٹک رچایا جاتا ہے، کیا وہاں اسلام کی اس تعلیم کا کوئی معمولی سا بھی اہتمام کیا جاتا ہے؟ وہاں تو صرف اپنی خود ساختہ شرط منوا کر آنکھیں بند کر کے ایک عورت کو ایک مرد کے حوالے کر دیا جاتا ہے، چاہے وہ اس کو پسند ہو یا نہ ہو۔

تیسری علت: نسب اور خاندانی نظام کا تحفظ ہے۔ حلالۂ ملعونہ اس کے یکسر خلاف ہے۔ اگر چند راتوں کی ہم بستری سے عورت کو حمل قرار پا جائے۔ تو فی الحال اس بحث کو چھوڑ دیجیے کہ یہ اولاد صحیح النسب ہو گی یا ولد الزنا؟ (حالانکہ حدیث اور آثار صحابہ کی روشنی میں یہ ولد الزنا ہے) تاہم زوج اول کے لیے، جس کے

ساتھ دوبارہ نکاح کرنے کے لیے یہ حلالۂ ملعونہ ایجاد کیا گیا ہے، یہ اولاد ناقابل برداشت ہوگی، بالخصوص جبکہ اس کی پہلے بھی اولاد ہو۔ اس کی وجہ سے خاندانی نظم میں جو دراڑیں پڑیں گی، محتاج وضاحت نہیں۔ کیا اسلام، جو صحیح النسبی اور خاندانی نظام کے تحفظ کا سب سے بڑا علمبردار ہے، اس مذاق کو برداشت کرسکتا ہے؟

چوتھی علت: کرائے کے سانڈوں کا خاتمہ ہے۔ اسلام نے اسلامی معاشرے کو زنا کاری سے بچانے کے لیے دور دور تک بند باندھ دیے ہیں۔ علاوہ ازیں اس کی نہایت کڑی سزائیں مقرر کی ہیں تاکہ کوئی اس کا ارتکاب کرنے کی جسارت نہ کرے لیکن حلالۂ ملعونہ کے ذریعے سے تقدس مآبی کے نام پر زنا کاری کا ایک آسان راستہ کھول دیا گیا ہے۔ بھلا اسلام اس کو کس طرح پسند کرسکتا ہے؟

محترم! حلالۂ ملعونہ کی علت شرط ہرگز نہیں ہے بلکہ مذکورہ چار علتیں ہیں، ان میں سے ہر ایک علت اتنی اہم ہے کہ اس کی حرمت وممانعت کے لیے وہی کافی ہے چہ جائیکہ چار علتیں حرمت کی جمع ہوجائیں، پھر بھی حلالۂ ملعونہ جائز رہے؟ ﴿إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ [ص:5]

اللہ تعالیٰ ان فقیہان حرم کو یہ توفیق دے کہ وہ تقلیدی جمود میں قرآن وحدیث کی اصل تعلیمات کو مسخ نہ کریں اور دین کو اس طرح کھیل کود نہ بنائیں جس طرح یہود کے علماء نے بنالیا تھا جس کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا﴾ [الأعراف:51]

حلالے کی بابت صاحب ''المنار'' کی وضاحت

مضمون کی تکمیل کے بعد تفسیر ''المنار'' دیکھنے کا اتفاق ہوا، یہ تفسیر الازھر (مصر) کے شیخ محمد عبدہ (مشہور مصری مصلح) کے تفسیری افادات ہیں جو ان کے تلمیذ رشید علامہ رشید رضا مصری، مدیر ''المنار'' نے مرتب کیے ہیں اور تفسیر ''المنار'' کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔

اس تفسیر میں شیخ محمد عبدہ رحمہ اللہ آیت ﴿فلا تحلّ له منْ بعْد حتّى تنْكح زوْجًا غيْره﴾ کے تحت میں لکھتے ہیں۔ ہم اختصار کے پیش نظر اس کا اردو ترجمہ پیش کررہے ہیں:

''ہر مسلمان کو جاننا چاہیے کہ یہ آیت اس امر میں بالکل واضح ہے کہ وہ نکاح جس کے ذریعے سے مطلقۂ ثلاثہ (زوج اول کے لیے) حلال ہوتی ہے، وہ صحیح (باقاعدہ) نکاح ہے جو رغبت سے کیا

جائے (نہ کہ شرط کر کے بہ جبر) اور جس سے نکاح کا وہ مقصود حاصل ہو جائے جو نکاح سے مطلوب ہوتا ہے۔ پس جس نے مطلقۂ ثلاثہ عورت سے اس نیت سے نکاح کیا کہ وہ عورت زوج اول کے لیے حلال ہو جائے تو یہ نکاح صورتاً تو نکاح ہے لیکن غیر صحیح نکاح ہے اور اس سے وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی بلکہ یہ ایسی معصیت ہے جس کے مرتکب پر شارع نے لعنت فرمائی ہے اور شارع علیہ السلام کسی ایسے فعل پر لعنت نہیں کرتے جو جائز (مشروع) ہو۔ بلکہ ایسے فعل پر بھی لعنت نہیں کرتے جو صرف مکروہ ہی ہو (حرام نہ ہو)۔ جمہور علماء کے نزدیک مشہور یہی ہے کہ لعنت انہی گناہوں پر آتی ہے جو کبیرہ ہوں اگر اس کا دوبارہ اعادہ کیا جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص خون کو پیشاب سے پاک کرے حالانکہ وہ پلیدی پر پلیدی ہے (وہ پاک کس طرح ہوگا؟)

امام مالک، امام احمد، امام ثوری، اہل ظاہر اور ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد اہل حدیث واہل فقہ میں سے اسی موقف کے قائل ہیں۔''

علامہ رشید رضا مصری مرتب افادات مزید لکھتے ہیں:

''الاستاذ الامام (شیخ عبدہ) نے فرمایا: حلالے والا نکاح، نکاح متعہ سے بھی بدتر ہے اور فساد و عار کے اعتبار سے بھی بہت شدید ہے اور کچھ دوسرے فقہاء جو کہتے ہیں کہ یہ کراہت کے ساتھ جائز ہے جب تک اس میں شرط نہ ہو، اس لیے کہ فیصلہ ظاہر پر ہوتا ہے، اس میں کارفرما مقاصد اور پوشیدہ باتوں کو نہیں دیکھا جاتا، تو ہم کہتے ہیں ٹھیک ہے، لیکن دین قیم (اسلام) تو یہ ہے کہ ظاہر باطن کا آئینہ دار ہو، ورنہ وہ نفاق ہوگا۔ علاوہ ازیں حلالے کی نیت سے نکاح کرنے والا وہ نکاح حقیقی نہیں کرتا جو اللہ نے مشروع کیا (حکم دیا) ہے۔ اور اسے بیان کیا ہے۔ یہ ایسا معاملہ نہیں ہے جسے خود انسان جس طرح چاہے کر لے اور نہ اس شخص کی مرضی پر ہے جو بغرض حلالہ یہ کام کرواتا اور اس پر اس کے ساتھ تعاون کرتا ہے۔ اگر قاضی لاعلمی کی وجہ سے ظاہر کو دیکھتے ہوئے ایسے نکاح کے نفاذ کا فیصلہ دے دیتا ہے وہ تو معذور گردانا جا سکتا ہے لیکن اس کا علم رکھنے والا اور اس کا

ارتکاب کرنے والا معذور قرار نہیں دیا جاسکتا۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس حلالے پر ''اعلام الموقعین''، میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔''

اس کے بعد امام عبدہ رحمہ اللہ نے لعنت والی حدیث اور کرائے کے سانڈ والی حدیث ذکر کرکے وہ آثار صحابہ نقل کیے ہیں جن میں اس فعل حرام کو زنا اور قابل رجم قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

''حلالہ کی اس رذالت (کمینگی وخساست) کے باوجود یہ فعل ان اشرار میں عام ہے جنہوں نے طلاق کی اجازت کو ایک عادت اور مذاق بنالیا ہے، بالخصوص اس فتوی اور حکم کی وجہ سے کہ ایک ہی مرتبہ تین طلاقیں دینے سے تینوں ہی واقع ہوجاتی ہیں، مسلمانوں کی اکثریت نے اپنے دین کو مذاق اور تماشا بنالیا ہے، جس کی وجہ سے خود اسلام بدنام ہورہا ہے حالانکہ اسلام میں ایسی کوئی بات نہیں ہے سوائے ان لوگوں کے جو اسلام کے نام پر اس کو عیب ناک کررہے ہیں۔ میں نے لبنان میں ایک عیسائی کو دیکھا جو اسلامی کتابوں وغیرہ کی خریداری اور ان کے مطالعے کا بڑا شوقین تھا، بالآخر اس کو ہدایت نصیب ہوگئی اور وہ مسلمان ہوگیا تاہم تصوف کی طرف اس کا رجحان رہا۔ مجھے اس نے کہا: اسلام میں مجھے تین عیبوں کے سوا اور کوئی عیب نظر نہیں آیا، اور یہ ممکن نہیں کہ یہ عیوب اللہ کی طرف سے ہوں (یعنی لوگوں نے ان کو اسلام کے نام پر گھڑ لیے ہیں، اللہ کے نازل کردہ دین اسلام میں وہ نہیں ہوسکتے)۔ ان میں سب سے بدتر عیب حلالہ ہے لیکن جب میں نے اس حلالے کی حقیقت اس پر واضح کی کہ یہ اسلام میں نہیں ہے بلکہ لوگوں کا اپنا ایجاد شدہ طریقہ ہے تو وہ مطمئن ہوگیا۔''[1]

---

[1] تفسیر "المنار" 2/294-295، طبع دار المعرفۃ، مصر، 1934ء

معاشرتی مسائل

عورت بحیثیت بہو اسلام کی نظر میں

حافظ خلیل الرحمن عزیز [1]

عموماً معاشرے میں یہ خیال پیش کیا جاتا ہے کہ قرآن و حدیث میں بہو کے حوالے سے کوئی رہنمائی موجود نہیں ہے۔ اور اگر فی الحقیقت ایسا ہی ہے تو اسلام کا دینِ کامل ہونے کا دعویٰ کیسا ہے؟ اس طرح کے نظریات اور خیالات وقتاً فوقتاً مغرب اور مستغربین کی جانب سے سننے کو ملتے رہتے ہیں، مگر ان کا یہ زعم باطل محض دور از حقیقت نہیں بلکہ اسلام پر افتراء پردازی بھی ہے۔ ہم مکمل شرح صدر کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارا دین مکمل ضابطہ حیات ہے اور اس میں ہمارے لئے زندگی کے ہر گوشہ سے متعلق رہنمائی موجود ہے۔

ہاں جب آنکھوں پر تعصب، عناد اور بغض و کینہ کی عینک ہو تو پھر کیا کیا جا سکتا ہے؟ مغرب سے درآمد اسی سوچ کی تردید اور بہو کے رشتے، اس کے حقوق اور فرائض سے متعلق ان سطور میں مختصر انداز میں روشنی ڈالنے کی سعی کی گئی ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول و منظور فرمائے۔ انہ ولی التوفیق

سسرالی رشتوں کا قرآن میں بیان:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا﴾ [سورۃ الفرقان:54]

---

[1] ریسرچ اسکالر شیخ زید اسلامک سینٹر (جامعہ کراچی)

ترجمہ: وہ جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا، پھر اسے نسب والا اور سسرالی رشتوں والا کر دیا بلاشبہ آپ کا پروردگار (ہر چیز پر) قادر ہے۔

درج بالا آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ازل سے ہی انسان کے دو رشتے بنائے ہیں۔

1. نسبی رشتہ جسے ہم خونی رشتہ بھی کہہ سکتے ہیں۔
2. سسرالی رشتہ جسے ہم سببی رشتے بھی کہتے ہیں۔

درج بالا آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں نسبی رشتے قابلِ احترام ہیں وہاں سببی رشتے بھی قابل احترام ہوتے ہیں۔ اسی بات کی امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں باب کا عنوان باندھ کر مزید وضاحت فرما دی۔

[باب مايحل من النساء ومايحرم وقوله تعالى "﴿حرمت عليكم امهاتكم وبناتكم واخواتكم و عماتكم وخالاتكم وبنات الاخ و بنات الاخت﴾ الى آخر ايتين الى قوله ﴿ان الله كان عليما حكيما﴾ " عن ابن عباس حرم من النسب سبع ومن الصهر سبع ثم قرا حرمت عليكم امهاتكم "۔۔الآية] [1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی نے انسان کے سات نسبی رشتے قابل احترام بنائے ہیں اور اسی طرح سات رشتے سسرالی بھی قابل احترام بنائے ہیں جن کی تفصیل ذکر کردہ آیت کریمہ میں موجود ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ﴾ [البقرة:233]

ترجمہ: ''اور وارث پر بھی یہی ذمہ ہے۔''

درج بالا آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اگر بیوی کا شوہر موجود نہیں ہے تو بیوی اپنے سسر سے خرچے کا مطالبہ کریگی یعنی شوہر کی عدم موجودگی میں سسر کو بہو کا والی اور وارث ٹھرایا گیا ہے۔

---

[1] صحيح البخاری :كتاب النكاح ، باب مايحل من النساء ومايحرم

مزید فرمان باری جلّ وعلا ہے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴾[البقرۃ:228]

اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حق ہیں جیسے ان پر مردوں کے ہیں اچھائی کے ساتھ ہاں مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔

اس آیت کریمہ کی تشریح سیاق وسباق سے یہ ہے کہ شوہر کے بیوی کو طلاق دینے کی صورت میں دورانِ عدت اگر میاں بیوی اصلاح چاہتے ہیں تو واپسی کی گنجائش باقی ہے اور جس طرح مردوں کا حق ہے ویسے ہی عورتوں کا بھی حق ہے۔

لیکن اگر شوہر اپنی بیوی کو جو اس کا حق ہے دینے کیلئے تیار نہیں ہے تو اس کا باپ یعنی بہو کا سسر حق دلواسکتا ہے۔

بہو کا انتخاب کرتے وقت ضروری ہدایات

1 نیک بہو کا انتخاب کیا جائے:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

[الدنيا متاع وخير متاع الدنيا المراة الصالحة]

ترجمہ: ''دنیا فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور دنیا کا سب سے بہترین فائدہ نیک عورت ہے''۔

1 بہو زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ نسل بڑھانے والی ہو:

جناب معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

[تزوجوالودود الولود فانى مكاثر بكم الامم]

''اس خاتون سے شادی کرو جو بہت محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی ہو کیونکہ روز قیامت میں تمہاری وجہ سے باقی امتوں پر فخر کروں گا''۔

شوہر کے ذمہ بیوی کے حقوق

سیدنا حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا :

[ماحق زوجة احدنا عليه قال ان تطعمها اذا طعمت و تكسوها اذاكتسيت ولاتضرب الوجه ولا تقبح ولاتهجر الا فى البيت][1]

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے ایک پر اس کی بیوی کا کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو خود کھاؤ بیوی کو بھی کھلاؤ، اور جو خود پہنو اپنی بیوی کو بھی پہناؤ اور بیوی کے چہرے پر مت مارو اور اسے برا مت کہو اور (اگر اس سے بائیکاٹ کرنا ہے تو) گھر میں ہی کرو۔

درج بالا حقوق اور مزید بیوی کے حقوق جو کہ احایث سے ثابت شدہ ہیں اگر یہ تمام حقوق شوہر اپنی بیوی کے ادا نہیں کر رہا تو بیوی اپنے سسر سے مذکورہ حکم ربانی کے تحت مطالبہ کرسکتی ہے اور سسر پر بھی واجب ہے کہ اپنی بہو کے حقوق اپنے بیٹے سے دلوائے جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے معلوم ہوگا جو آئندہ سطور میں بیان ہوگا۔

بہو کا سسر کے ہاں رہائش سے متعلق حدیث سے رہنمائی:

جناب عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میرے والد عمرو بن العاص (نے ایک خاندان والی) قریش کی ایک عورت سے میرا نکاح کر دیا اور ہمیشہ اس کی خبر گیری کرتے رہتے اس سے (یعنی بہو سے خاوند کا) یعنی میرا حال پوچھتے رہتے کہ تمہاری خاوند سے کیسی گزرتی ہے وہ کہتی میرا خاوند بہت اچھا نیک آدمی ہے مگر جب سے میں اس کے نکاح میں آئی ہوں نہ تو اس نے میرے بستر پر قدم رکھا ہے نہ میرے کپڑے میں کبھی ہاتھ ڈالا جب ایک مدت اسی طرح گزری ان کی بہو یہی شکایت کرتی رہی آخر عمرو نے مجبور ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اچھا عبداللہ کو میرے پاس لاؤ۔ عبداللہ کہتے ہیں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے پوچھا تو روزے کیسے رکھتے ہو؟ میں نے کہا ہر روز روزہ رکھتا ہوں۔ پھر پوچھا قرآن کتنے دن میں ختم کرتے ہو میں نے کہا ہر رات میں

---

[1] سنن أبي داؤد :كتاب النكاح ،باب فى حق المرأة على زوجها

ایک ختم کرتا ہوں آپ نے فرمایا اتنی محنت کرتا ہے ایسا کر ہر مہینے میں تین روزے رکھا کر اور ہر مہینے میں قران کا ایک ختم کیا کر۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھ کو تو اس سے زیادہ طاقت ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا ہر ہفتے میں (سات دن میں) تین دن کا روزہ رکھا کر میں نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھ کو تو اس سے زیادہ طاقت ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا دو دن افطار کر ایک دن روزہ رکھ میں نے عرض کیا مجھ کو اس سے بھی زیادہ (عبادت کی) طاقت ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا سب روزوں سے افضل روزہ داؤد پیغمبر کا اختیار کر ایک دن روزہ رکھ ایک دن افطار کر اور قران پاک کا ختم سات راتوں میں ایک بار کیا کر۔ عبداللہ بن عمرو کہا کرتے تھے کاش میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رخصت قبول کر لیتا کیوں کہ اب میں ضعیف اور بوڑھا ہو گیا ہوں (اس وقت تو جوانی کا جوش تھا) مجاہد نے کہا عبداللہ بن عمرو (ضعیفی کے زمانہ میں ایسا کیا کرتے) قران کا ساتواں حصہ یعنی ایک منزل دن کو کسی کو سنا دیتے ۔ رات کو جو منزل پڑھنا ہوتی اسکو دن کو سنا رکھتے تا کہ رات کو اس کا پڑھنا آسان ہو جائے ۔ (اس میں بھولیں نہیں) اور قوت حاصل کرنے کیلئے یوں کرتے کہ چند روز تک برابر افطار کرتے لیکن دن گنتے جاتے پھر اتنے ہی دن برابر روزہ رکھتے ان کو یہ برا معلوم ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو ٹھہرا تھا (ایک دن روزہ رکھنا ایک دن افطار کرنا) اس میں کمی ہو جائے ۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا بعض راویوں نے اس حدیث میں یوں نقل کیا ہے اچھا تین راتوں میں ایک ختم کیا کر یا پانچ راتوں میں لیکن اکثر راوی یوں نقل کرتے ہیں سات راتوں میں ایک ختم کیا کر (جیسے اوپر گزرا)۔ [1]

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں کئی ایک مقامات پر لائے ہیں اور بے شمار مسائل بیان کئے ہیں مثلاً کتاب الصوم، کتاب قیام اللیل، کتاب فضائل القران، کتاب النکاح۔

درج بالا حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل بیان کئے جاسکتے ہیں:

1. سسرا پنے بیٹے کیلئے بہو کا انتخاب کرسکتا ہے۔
2. سسر کے ہاں بہو رہائش بھی اختیار کرسکتی ہے ۔
3. سسرا پنی بہو سے بیٹے سے متعلق معلومات بھی لے سکتا ہے۔

---

[1] صحيح البخاري :كتاب فضائل القرآن،باب في كم يقرأ القرآن

❹ بہو سسر کے ہاں اپنے شوہر کی شکایت بھی کر سکتی ہے۔

❺ بہو سسر کے ہاں ازدواجی زندگی سے متعلق بھی باخبر کر سکتی ہے۔

❻ بہو سسر کے ہاں شوہر کی عدم مباشرت سے متعلق بار بار شکایت کر سکتی ہے(اس میں کوئی حیاء نہیں ہے)۔

❼ سسر اپنے بیٹے اور بہو سے متعلق فیصلے کے حوالے سے کسی سربراہ سے فیصلہ بھی کرا سکتا ہے۔

❼ سسر کا اپنے بیٹے کی ازدواجی زندگی میں دخل دینا بھی قابل ممانعت نہیں ہے۔

❾ قیام اللیل اور روزے کے اندر میانہ روی سے کام لیا جائے۔

❿ انسان کی آنکھوں کا، جسم کا، انسان پر حق ہے۔

نوٹ: ائمہ کرام نے مزید بھی مسائل بیان کئے ہیں بخشیت طوالت انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

بہو اور ساس کے درمیان جھگڑے کی وجوہات

بے جا توقعات کا قائم کرنا

سسرال کو خاص طور پر ساس اور سسر کو جان لینا چاہئے کہ ہمارا تعلق بہو کے ساتھ بلاواسطہ نہیں بلکہ بالواسطہ ہے اور وہ واسطہ بیٹے کا ہے یہ رشتہ خونی رشتے کی طرح نہیں ہوتا اور اس میں وہ کشش نہیں ہوتی جو کہ خونی رشتے میں قدرتی طور پر ہوتی ہے۔ یہ رشتہ ایک جملے کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے اور ایک ہی جملے کی بنیاد پر ٹوٹ بھی سکتا ہے۔ اور یہ بہت ہی نازک اور حساس رشتہ ہے اس لئے ساس کو یا سسر کو اپنی بہو سے زیادہ توقعات یا امیدیں وابستہ نہیں کرنی چاہئیں۔

میاں بیوی کی محبت سے بدظن ہونا

اس حقیقت کو مان لینا چاہئے کہ شوہر کے دل میں شادی کے بعد ایک نئی شخصیت داخل ہوجاتی ہے اور وہ اس کی رفیقہ حیات اور ہم سفر ہے۔ والدین جب دیکھتے ہیں کہ بیٹے کی بہو کے ساتھ بہت زیادہ محبت الفت اور پیار ہو رہا ہے تو پریشان ہوجاتے ہیں اور گرم جوشی کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اور وہ دونوں یہ تمام تر صورت حال دیکھ کر بہو کو اپنا حریف اور مخالف سمجھ بیٹھتے ہیں حالانکہ انہیں مان لینا چاہئے کہ یہ محبت فطری ہے اور قانون ربانی کے عین مطابق ہے جیسا کہ بہت سی قرآنی آیات سے یہ بات ثابت

ہو چکی ہے۔

گھر کی حکومت اور اقتدار کی جنگ

ساس اور سسر جب اپنے گھر میں بیوی کی حکومت، بہو کا گھر پر کنٹرول اور شوہر پر کنٹرول اور امور خانہ داری پر کنٹرول دیکھتے ہیں تو خاص طور پر ساس گھبرا جاتی ہے اور وہ اپنے اندر اندر ہی اس بات کے سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ کل تک تو اس گھر پہ میرا ہی کنٹرول اور اقتدار تھا لیکن آج بہو کے آنے پر مجھ سے یہ اقتدار چھن گیا میرا کنٹرول جا تا رہا تو اسی وجہ سے جھگڑے کی نوبت پیش آتی ہے۔

صلاحیتوں کا اختلاف

پرانے دور میں تعلیم اس قدر عام نہیں تھی جتنا کہ فی زمانہ ہے۔ڈگریوں کا وہ دور نہیں تھا جو آج ہے، ساس جب اپنی بہو کی تعلیمی قابلیت اور کثیر تعداد میں ڈگریاں دیکھتی ہے تو خوش ہونے کی بجائے الٹا پریشانی کا شکا ہو جاتی ہے اور احساس کم تری کا مظاہرہ یوں پیش کرتی ہے کہ بڑے جھگڑوں کی نوبت پیش آجاتی ہے اور نتیجہ خاندان کی تباہی تک پہنچ جاتا ہے۔

بیٹے کا ماں باپ کو وقت نہ دینا

ساس اور بہو کے درمیان جھگڑوں کی یہ بھی ایک وجہ بن جاتی ہے کہ وہی بیٹا جو شادی سے پہلے ماں باپ کو وقت دیا کرتا تھا ماں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا آج وہی بیٹا بیوی کے آنے کے بعد ماں باپ کو وقت نہیں دے رہا تو ماں اپنے لئے بہو کو منحوس سمجھ بیٹھتی ہے اور یہ بات تجربات سے ثابت ہو چکی ہے۔

چغلی کا عام ہونا

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ دنیا میں بہت سے جھگڑوں کے پیچھے بنیادی وجہ چغلی ہوتی ہے اور بہت سے مقامات پر یہی وجہ ساس اور بہو کے درمیان یا ساس اور سسر کے درمیان یا بہو اور نند کے درمیان، بہو اور جیٹھ کے درمیان بن جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم کتاب میں غیبت ،چغل خوری کی شدید مذمت کی ہے۔

﴿وَلَا تُطِعۡ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝١٠ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ ۝١١ مَّنَّاعٍ لِّلۡخَيۡرِ مُعۡتَدٍ أَثِيمٍ ۝١٢﴾ [القلم:10-12]

ترجمہ:اور تو کسی ایسے شخص کا بھی کہنا نہ ماننا جو زیادہ قسمیں کھانے والا۔ جو طعنے دینے والا ہے اور چغلیاں کھاتا پھرتا ہے۔ بھلائی سے ہر دم روکنے والا، حد سے بڑھنے والا گنہگار ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:'' چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا''۔ [1]

ساس اور بہو کے درمیان شکوک وشبہات کا جنم لینا

ساس مکمل طور پر اپنی بہو پر اعتماد نہیں کرتی اور بہو اپنی ساس کو اپنے لئے یقینی طور پر خیر خواہ نہیں سمجھتی اور ہمیشہ کیلئے اسے اپنا حریف سمجھتی ہے اور شک کی نگاہوں سے اسے دیکھتی ہے جس کی وجہ سے بڑے جھگڑے نمودار ہوجاتے ہیں اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر شک والے معاملے کو چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے۔ [2]

ان تمام وجوہات کے مواد کو درج ذیل کتب سے لیا گیا ہے۔

1 ازدواجی زندگی کی مشکلات اور ان کا حل ص 131 تا 139

2 تحفہ دلہن ص 280 تا 281

بہو کیلئے ہدایات

بہو پر فرض ہے کہ وہ اپنی ساس کے ساتھ یا سسر کے ساتھ جھگڑے کا محاذ کھڑا نہ کرے۔

کیوں کہ جھگڑا کسی کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو برا ہے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالی نے مجھے لیلۃ القدر کے متعلق بتا دیا تھا اور میں صحابہ کرام کو اس کی تعیین سے متعلق بتانے کیلئے اپنے گھر سے نکلا اور میں نے راستے میں دو بندوں کو دیکھا کہ وہ آپس میں جھگڑا کر رہے ہیں اللہ تعالی نے اس جھگڑے کی وجہ

---

[1] صحيح مسلم: كتاب الايمان،باب بيان غلظ تحريم النميمة

[2] سنن أبي داؤد

سے لیلۃ القدر کے تعیین کو اٹھالیا۔[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں اس شخص کو جنت میں ایک محل کی ضمانت دیتا ہوں جو حق پر ہو نے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دیتا ہے''۔[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جھگڑا دین کو مونڈ دینے والی چیز ہے''۔[3]

بہو پر فرض ہے کہ وہ اپنی ساس اور سسر کا احترام بجالائے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

[لیس منا من لم یرحم صغیرنا ویوقر کبیرنا ویامر با لمعروف وینھی عن المنکر][4]

''جس شخص نے ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کیا اور ہمارے بڑوں کی عزت نہیں کی اور اچھائی کا حکم نہیں دیا اور برائی سے منع نہیں کیا وہ ہم میں سے نہیں''۔

یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ غزوات میں بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کیا جائے۔

لہٰذ بہو کو جاننا چاہئے کہ اس حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان میں بہت بڑی رہنمائی موجود ہے کہ جس قدر بھی ہو سکے ساس اور سسر کا احترام کیا جائے تو انشاء اللہ کبھی بھی جھگڑے کی نوبت پیش نہیں آئیگی۔

اپنے شوہر کو ساس اور سسر کا احترام کرنے سے مت روکئے

محترم بہو! یہ حقیقت ہے کہ وہ آپ کا شوہر ہے لیکن آپ سے کہیں زیادہ اس پر حق اس کے والدین کا ہے، کیوں کہ والدین کی خدمت میں اس کی کامیابی ہے اور خدمت نہ کرنے میں ناکامی ہے کیا آپ جنت میں اکیلی جانا چاہتی ہیں اور آپ کا شوہر جہنم میں چلا جائے کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''والدین کی خدمت میں جنت ہے اور خدمت نہ کرنے میں جہنم ہے''۔[5]

---

[1] صحيح البخاري:كتاب صلوٰة التراويح، باب رفع ليلة القدر لتلاحي الناس

[2] سنن أبي داود:كتاب الأدب، باب حسن الخلق

[3] سنن تر مذي : با ب فی فضل المخالطة مع الصبر

[4] جامع الترمذي:كتاب البر والصلة،باب ما جاء في رحمة الصبيان

[5] سنن ابن ماجه:كتاب الأدب،باب بر الوالدين

صبر سے کام لیا جائے

بہو یہ ملحوظ خاطر رکھے کہ: صبر کا پھل بہت میٹھا ہوتا ہے اللہ تعالی کی نصرتیں اور کامیابیاں ہمیشہ صابرین کے ساتھ رہی ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مومن کے پاس دو ہتھیار رہیں (۱) صبر (۲) شکر اگر مومن پر تکلیف آئے صبر کرتا ہے تو اس کیلئے خیر ہے اور اگر خوشی ملے تو شکر بجالاتا ہے اس میں بھی اس کیلئے خیر ہے"۔[1]

لہذا اس حدیث کے پیش نظر صبر سے کام لیا جائے آج آپ کی ساس جو آپ سے جھگڑ رہی ہے کل وہ آپ کی ہوجائے گی اور کل کو اپنا سب کچھ آپ کیلئے قربان کر دیگی۔

ساس اور سسر کا شکریہ ادا کیا جائے

حدیث میں آتا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"من لم يشكر الناس لم يشكر الله "۔[2]

ترجمہ :"جس شخص نے لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کیا وہ کبھی بھی اللہ کا شکریہ ادا نہیں کرے گا"۔

بہو کے لانے میں چوں کہ ساس کا اہم کردار ہوتا ہے اور وہی اسے پسند کر کے اپنے گھر بیاہ لاتی ہے اس لئے سب سے زیادہ اسی کا شکریہ ادا کیا جائے۔

ایک سبق آموز واقعہ

مولانا ذوالفقار فرماتے ہیں میرے پاس ایک خاتون آئی جو کافی پڑھی لکھی تھی شاید اس نے ایم اے کیا ہوا تھا اس نے مجھ سے پردے کی پیچھے بیٹھ کر بات کی اور اپنی ساس کے بڑے گلے شکوے کئے کہ ناک میں دم کر رکھا ہے بات بات پر نوک جھونک کرتی ہے غرض اس نے ساس کا خوب رونا رویا تقریبا آدھا گھنٹہ ساس کے شکوے کرتی رہی اور اس دوران وہ رو پڑی لیکن ساتھ ہی بتایا کہ خاوند میرے ساتھ بہت اچھا ہے بہت پیار کا سلوک رکھنے والا ہے اس کے خاوند کی ایک فیکٹری ہے بڑا کھاتا پیتا گھرانہ ہے۔

---

[1] صحيح مسلم :كتاب الزهد و الرقائق ، باب المؤمن أمره كله خير

[2] جامع الترمذي :كتاب البر و الصلة،باب ما جاء في الشكر لمن أحسن اليك

کارکوٹھی اس کے پاس ہے لیکن ساس کی وجہ سے بہت پریشان تھی۔ جب اس نے بتایا کہ خاوند اس کے ساتھ بہت اچھا ہے اس سے اسے کوئی شکوہ نہیں تو میں نے اس سے ایک سوال کیا: کیا آپ کو خاوند اور گھر اچھا لگا؟ کہنے لگی: جی ہاں! میں نے پوچھا آپ اس گھر میں کیسے آئیں؟

کہنے لگی: وہ تو میری ساس میرے گھر آئی، مجھے دیکھا اور پسند کیا اور مجھے بیاہ کر لے آئی اس پر میں نے کہا: اس نے تو آپ پر احسان کیا کہ اتنے اچھے گھر میں آپ کو لے آئی جس میں آپ کو خاوند بھی اچھا ملا اس بڑے احسان پر تو آپ کو عمر بھر اپنی ساس کا شکر گزار رہنا چاہئے تھا لیکن یہ شکوے کیسے؟

میں نے کہا: اب بتائیں کہ اتنے بڑے احسان کے مقابلے میں تمہاری یہ باتیں کیسی ہیں؟ کہنے لگی: آپ نے تو میرا مسئلہ حل کر دیا اس احسان کے مقابلے میں تو یہ باتیں واقعی کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتیں۔

ساس سے مشورہ لیا جائے

قران کریم میں ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ [الشوری:38]

ترجمہ: ''اور ان کا (ہر) کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے''۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مشاورت میں خیر ہے اور اس سے بڑی بڑی دوریاں ختم، فاصلے کم ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا محترم بہو صاحبہ: اپنے معاملات میں ساس کو شریک کریں اور اس سے مشاورت لیں اس سے ساس کے دل میں آپ کی قدر بیٹھے گی اور وہ آپ سے محبت کرے گی۔

بدگمانی کا شکار نہ ہوں

اللہ تعالیٰ نے بدگمانی سے منع فرمایا ہے ترجمہ ملاحظہ کیجئے: ''اے ایمان والو بچتے رہو بدگمانیاں کرنے سے کیوں کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور نہ ہی کسی کو ٹٹولو اور نہ ہی تم میں بعض بعض کی غیبت کرے''۔ [الحجرات:12]

درج بالا آیت کریمہ کی روشنی میں بہو کیلئے بھی ہدایت ہے کہ وہ اپنی ساس کے بارے میں بدگمان نہ ہو اگر اس کا شوہر اپنی ماں سے محبت کرتا ہے یا احترام دیتا ہے تو یہ اس پر فرض ہے۔ آپ کو چاہئے کہ آپ اس سے بدگمان نہ ہوں اور بات کا بتنگڑ مت بنایئے اور عیب مت ٹٹولیں اور غیبت مت کریں۔

سیدنا ابرہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی بہو کیلئے وصیت:

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی شادی کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے خاندان کی خیر خبر لینے مکہ پہنچے لیکن جناب اسماعیل علیہ السلام کو گھر پر موجود نہ پایا ان کی بیوی سے ان کے بارے میں دریافت کیا اب ان دونوں کا آپس میں مکالمہ پیش کیا تا ہے۔

خاتون خانہ: وہ ہمارے لئے شکار کرنے گئے ہیں پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس عورت سے ان کے گھریلو حالات کے بارے میں پوچھا

خاتون خانہ: [نحن فی ضیق وشدة] بہت تنگی اور بہت سخت حالت میں ہیں اوراس نے ان سے خوب شکایت کی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جب تمہارا شوہر آجائے تو ان کو سلام کے بعد یہ کہہ دینا کہ وہ اپنے گھر کی چوکھٹ بدل لے (ان کی مراد تھی کہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے)

سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے گھر آنے کے بعد پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا؟

خاتون خانہ: جی ہاں اس شکل کے ایک بڑے میاں آئے تھے اورانہوں نے مجھ سے آپکے بارے میں دریافت کیا تو میں نے بتلا دیا پھرانہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تمہاری زندگی کیسی گزر رہی ہے؟ تو میں نے انہیں بتلا دیا [نحن فی ضیق وشدة] کہ ہم تنگی و پریشانی کا شکار ہیں۔

سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے کہا انہوں نے کوئی پیغام چھوڑا ہے؟

خاتون خانہ: جی ہاں انہوں نے مجھے یہ حکم دیا تھا کہ میں آپ کو ان کا سلام پہنچا کر ان کا یہ پیغام آپ کو دے دوں کہ اپنے گھر کی چوکھٹ بدل لیں۔

سیدنا اسماعیل علیہ السلام بولے وہ بزرگ تو میرے والد ماجد تھے اورانہوں نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ تمہیں چھوڑ دوں لہٰذا تم اپنے گھر چلی جاؤ اور یہ کہہ کر انہوں نے اس عورت کو طلاق دے دی، پھر اس قوم کی ایک اورلڑکی سے سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے شادی کر لی سیدنا ابراہیم علیہ السلام ان کے پاس کافی دنوں تک نہیں آئے پھر جب کچھ عرصے بعد ان کے گھر آئے تو وہاں حضرت اسماعیل کو موجود نہ پایا ان کی بیوی سے ان کے بارے میں پوچھا سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کہا اسماعیل کہاں ہے؟ اور تمہاری

زندگی کیسے گزر رہی ہے؟

خاتون خانہ:[نحن بخیر و سعة](وہ ہمارے لئے شکار کی تلاش میں گئے ہیں اور ہم خیریت سے ہیں (اور) اللہ تعالی نے ہمیں کشادگی دے رکھی ہے آپ ہمارے مہمان بنئے کھانا کھائیے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام تمہارا کھانا پینا کیا ہے؟

خاتون خانہ: ہمارا کھانا گھوشت ہے اور پینا پانی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی اے اللہ ان کے کھانے اور پینے میں برکت عطا فرما (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ سب کچھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت ہے)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مزید فرمایا جب تمہارے شوہر آجائیں تو ان سے میرا اسلام کہہ دینا اور ان کو یہ بھی کہہ دینا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ کو مضبوطی سے رکھیں جب حضرت اسماعیل علیہ السلام آئے تو انہوں نے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی صاحب آئے تھے؟

خاتون خانہ: جی ہاں ہمارے پاس نہایت اچھی صورت والے ایک بزرگ آئے تھے (اور بیوی نے ان کی خوب تعریف کی) انہوں نے ہمارے بارے میں پوچھا تو میں نے ان کو بتلایا [انا بخیر] کہ ہم خیریت سے ہیں سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے کہا انہوں نے تمہیں کوئی پیغام دیا تھا؟

خاتون خانہ: جی ہاں آپ کو سلام کہہ رہے تھے اور حکم دے رہے تھے کہ آپ اپنے گھر کی چوکھٹ کو مضبوطی سے رکھیں۔

جناب اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا: وہ میرے والد بزرگ تھے اور چوکھٹ سے مراد تم ہو انہوں نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اپنے نکاح میں برقرار رکھوں۔ [1]

غور کیجئے! اس واقعے کو بار بار پڑھئے کہ شکر گزار بیوی اپنے شوہر اور سسر کی نگاہ میں کتنی محبوب ہوتی ہے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اس شکر گزار بیوی نے صرف زم زم کے پانی اور کبھی گوشت مل جانے پر کیسا شکر ادا کیا جو پریشانیاں اور تکلیفیں تھیں ان کو زبان پر ہی نہیں لائیں بلکہ نعمتوں کو ہی یاد کیا اور اس پر

---

[1] صحيح البخاري :كتاب الأحاديث الأنبياء،باب اول من اتخذ النساء ---

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کتنے خوش ہوئے اور دعائیں دیں اور جب سیدنا اسماعیل علیہ السلام آئے تو انہوں نے حالات بیان کئے اوران کی خوب تعریف کی اب بتایئے جب شوہر بیوی کے منہ سے اپنے والد اور والدہ کی تعریف سنے گا تو اس شوہر کا دل کتنا خوش ہوجائے گا اور اس کی مشکلات کی کتنی گتھیاں ان باتوں سے سلجھ جائیں گی۔

کاش! ہماری عورتیں اس کو سمجھیں اسی طرح جب ساس یا سسر اپنی بہو سے اپنے گھر اور اپنے بیٹے کی تعریف سنیں گے تو وہ بہو کو اور بہو کے والدین کو کتنی دعائیں دیں گے کہ کیسی اچھی بہو ہے کیسے اس کے والدین نے اس کی تربیت کی کہ بہو نے ہمارا نام روشن کیا ہمیں معاشرے میں عزت دلوائی اللہ مسلمان بہنوں کے نصیب میں سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی بہو کے اخلاق کی طرح ہماری بہوؤں کے بھی اخلاق بنادے (آمین)

بہرحال ہروقت ہرحال میں کہئے [الحمد لله رب العلمين على كل حال]

ترجمہ: ''ہرحال میں الٰہی تیرا شکر ہے'' اتنا شکر کیجئے کہ آپ کی زبان اور دل شکر (چینی) کی طرح میٹھے ہوجائیں اللہ تعالی کو شکر کرنے والا بندہ اور بندی بہت ہی زیادہ پسند ہیں اور حدیث میں آتا ہے کہ جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا ہے۔[1]

بہو کے لئے مولانا محمد احمد سورتی کی چند نصیحتیں

(۱) اے پیاری بیٹی شوہر کی چیزوں کو خوب سلیقے اور تہذیب سے رکھنا اگر شوہر کے ماں باپ زندہ ہوں اور تمہارا شوہر کمائی وغیرہ انہی کو دے تو آپ برا نہ منائیں اور اگر وہ آپ کو دے دیں تب بھی سمجھداری کی بات یہ ہے کہ آپ اپنے ہاتھ میں نہ لیں بلکہ یہ کہیں کہ ان کے حوالے کردیں تاکہ ساس اور سسر کا دل آپ کی طرف سے میلا نہ ہو اور جب تک ساس اور سسر زندہ ہیں ان کی خدمت اور تابعداری کو اپنا فرض سمجھیں اور اسی میں اپنی عزت سمجھیں اور ساس اور نندوں سے الگ ہوکر رہنے کی ہرگز فکر نہ کریں کیوں کہ ساس نندوں سے بگاڑ کی جڑ یہی ہے اے پیاری بیٹی جو کام ساس اور نندیں کرتی ہیں آپ اس کے کرنے سے شرم اور عار محسوس نہ کریں آپ خود بھی ان سے کہہ کر کام لیں اور کام کریں اس سے

[1] جامع الترمذي :كتاب البر و الصلة،باب ما جاء في الشكر لمن أحسن اليك

سسرال والوں کے دل میں آپ کی محبت پیدا ہوجائے گی۔

(۲) جب دو عورتیں آپس میں چپکے چپکے باتیں کررہی ہوں تو ان سے الگ ہوجائیں اور اس بات کی فکر نہ کریں کہ آپس میں کیا باتیں کررہی تھیں اور نہ ہی خواہ مخواہ یہ خیال کریں کہ ہماری ہی باتیں کررہی ہوں گی۔

(۳) ہر معاملے میں اپنی والدہ کی طرح ساس کا ادب کرو اور ہر حال میں ان کی رضامندی کو مقدم سمجھو خواہ تم کو تکلیف ہو یا راحت مگر ان کی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی نہ اٹھاؤ زبان سے کوئی ایسا لفظ مت نکالو جس سے اس کو تکلیف ہو اس سے جب بات کرو تو ایسے الفاظ استعمال نہ کرو جیسے اپنے برابر والوں سے کرتی ہو بلکہ ان الفاظ سے بات کرو جو بزرگوں کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں، اگر ساس کسی معاملے میں تنبیہ کرے ڈانٹے تو ان کے کہنے کو خاموشی کے ساتھ سن لو اور یاد رکھو اپنے شوہر کی ساس (اپنی ماں) سے زیادہ اپنی ساس کا خیال رکھو۔

اگر بالفرض ناگوار اور تلخ بات کہہ دیں (کہ جس کی امید تو نہیں ہے) تب بھی اس کو میٹھے شربت کی طرح پی جاؤ اور ہرگز سختی سے جواب نہ دو اگر کسی کام کا دوسرے کو کہیں تو تم اس کو بھی اپنی طرف سے انجام دو۔

(۴) اگر کوئی عورت تم سے مرتبے اور عمر میں بڑی ہے جیسے شوہر کے بڑے بھائی کی بیوی اس کے ساتھ گفتگو اور اٹھنے بیٹھنے میں اس کے مرتبے کا لحاظ رکھو اور اس کے ساتھ اس طرح مل جل کر رہو کہ گویا سگی بہن ہیں ایک بڑی اور ایک چھوٹی۔ تم اگر ایسا برتاؤ رکھو گی تو ضرور دوسری طرف سے بھی ایسا ہی برتاؤ ہوگا اور اگر عمر مرتبے میں تم سے چھوٹی ہے تو اس کے ساتھ محبت اور پیار کا برتاؤ رکھو اور اس کو نہایت نرمی سے اچھی باتوں کی تعلیم دیتی رہو اور وہ کوئی کام کرے تو تم اس کی مدد کرو اسی طرح شوہر کی بہنوں کے ساتھ ان کے مرتبے کے مطابق سلوک اور مدارات سے پیش آؤ مگر اس میں حد اعتدال کو ضرور ملحوظ رکھو کیوں کہ حد اعتدال سے زیادہ مدارات کو نبھانا مشکل ہے۔ اپنے گھر یا کسی دوسرے کے گھر یا کسی تقریب میں عورتوں کے ساتھ مل بیٹھو تو پیٹھ پیچھے کسی کے بارے میں ایسی بات مت کہو کہ اگر وہ سنے تو برا مانے اسی کو غیبت کہتے ہیں غیبت کرنے کا سخت گناہ ہے گھر میں جو بچے ہیں خواہ وہ تمہاری دیورانی جیٹھانی کی اولاد ہوں یا ایسے قریبی رشتہ داروں کے جو اس گھر میں رہتے ہیں ان کے ساتھ نہایت نرمی سے

پیش آؤ۔

حدیث شریف میں آیا ہے: ''جو شخص بڑوں کا ادب نہیں کرے اور چھوٹوں پر رحم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں (اس کا ہم سے تعلق نہیں)۔[1]

ہمارے رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچوں کے ساتھ بہت محبت تھی بعض عورتیں جن کو بچوں سے محبت ہوتی ہے بچے کو اس بہانے سے بلاتی ہیں کہ آؤ ہم تمہیں ایک چیز دیں گی اور کوئی چیز دینے کا ارادہ نہیں ہوتا صرف بلانا مقصود ہوتا ہے لیکن ایسا کہنا ایک قسم کا جھوٹ ہے ایسا مت کرو۔ ایک مرتبہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بچے کو کچھ دینے کو کہہ کر بلایا مگر اس نے خالی بہکایا نہ تھا بلکہ کوئی چیز اس کو دی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم اس کو یہ چیز نہ دیتیں تو جھوٹ ہو جاتا۔[2]

مولانا شفیق الرحمن خان بستوی نے حق بہو کچھ اس طرح تحریر کیا ہے:

مولانا صاحب فرماتے ہیں زمانہ جاہلیت میں بہو کا سسرال کے ہاں کچھ مقام نہیں تھا اسلام نے اسے مقام دیا اور احترام بھی دیا ہے مولانا صاحب نے بڑی تفصیل کے ساتھ زمانہ جاہلیت کی بربریت اور اسلام کے مشفقانہ طرز عمل کی اور ہر ایک کے حقوق بیان فرمائے ہیں اسی اثناء میں انہوں نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ سسرال کو چاہئے کہ بہو کو اپنے گھر میں عزت دیں احترام دیں اور اس کے حقوق کا خیال رکھیں قطعی طور پر کسی بھی حالت میں اسے اپنے ہاں لونڈی تصور نہ کریں۔[3]

مولانا ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب نے کچھ یوں فرمایا ہے

بہو کو چاہئے کہ سسرال والے مردوں سے پردہ کرے اور پردہ دیور جیٹھ سے ضروری ہے اور حق شرع ہے نہ کہ بندوں کا۔[4]

---

[1] جامع ترمذي :كتاب البروالصلة باب ماجاء فی رحمة الصبيان

[2] سنن أبي داؤد:كتاب الأدب،باب في التشديد في الكذب

[3] اصلاح البیوت ،لمولانا شفیق بستوی (حفظہ اللہ) باب حق بہو ص52

[4] کتاب بنام خواتین کیلئے شرعی احکام

شوہر کے سامنے بہو کبھی بھی اپنی ساس کی شکایت نہ کرے:

شوہر کے سامنے بہو کبھی بھی اپنی ساس کی شکایت نہ کرے کیوں کہ شوہر والدہ کو بدل نہیں سکتا کہ دوسری والدہ لے آئے۔لہٰذا نیک بیوی کو چاہئے کہ ساس کے رویئے پر صبر کرے اور یہ سوچے کہ اس نے خود بھی ایک نہ ایک دن ساس بننا ہے۔

اس لئے اگر میں تھوڑا سا صبر کرلوں گی اور ان کی خدمت کر کے جو دعا ملے گی وہ میرے لئے دنیا و آخرت میں انعام دلانے والی ہوگی۔

اپنی والدہ کا تصور کر کے یہ سوچے کہ اگر میں اپنے شوہر کی والدہ کا خیال نہیں رکھوں گی تو میری بھابھیاں بھی میری والدہ کے ساتھ ایسا ہی کریں گی اس لئے کہ اصول ہے" کماتدین تدان "جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

تیسری بات یہ سوچے کہ میں بھی ایک دن بوڑھی ہونے والی ہوں۔اگر آج میں نے ساس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تو کل میری بہو بھی میرے ساتھ ایسا ہی کرے گی۔

لہٰذا اگر آپ کے شوہر کی ساس کے اکیلے بیٹے ہیں یا دوسرے بھائیوں نے والدہ کو ساتھ نہیں رکھا تو آپ اس ثواب سے بھی محروم نہ رہیے اور اپنے شوہر کو کبھی مجبور نہ کیجئے کہ وہ والدہ کو الگ رکھے ہاں اگر بالکل ہی نہ بنتی ہو اور دونوں کی دین و دنیا خراب و برباد ہو رہی ہو اور اس نئی نسل (اولاد) کی زندگی بھی برباد ہو رہی ہو تو سمجھ رکھنے کیلئے ان باتوں کا ضرور خیال رکھے:

(۱) شوہر کو سمجھائے کہ والدہ کے سامنے میری طرف زیادہ توجہ نہ دیجئے بلکہ والدہ کی طرف زیادہ توجہ دیجئے کہیں والدہ کو ہلکا سا خیال بھی نہ گزر جائے کہ یہ مجھے چھوڑ کر بیوی کی طرف زیادہ توجہ کرتا ہے۔

(۲) اگر گاڑی میں کہیں جائیں اور والدہ بھی ساتھ ہوں تو شوہر سے کہئے کہ والدہ کو آگے بٹھائیں۔

(۳) شوہر سے کہیں کہ آپ کبھی کوئی کپڑے وغیرہ لائیں تو پہلے والدہ کو دیجئے جو ان کو زیادہ اچھا لگے وہ ان کو دے دیں جو وہ مجھے اپنی خوشی سے دے دیں گی میں لے لوں گی۔

(۴) کبھی شوہر کے ساتھ باہر جائیں تو ساس کو اکیلے گھر نہ چھوڑ کر جائیں (ہاں اگر ساس اسی میں خوش ہیں کہ اکیلی رہیں تو کوئی حرج نہیں) اگر رشتہ داروں سے ملنے کیلئے یا تفریح کیلئے میاں بیوی گئے اور والدہ یعنی ساس کو اکیلی چھوڑ کر گئے خصوصا جب کہ سسر کا بھی انتقال ہو گیا ہو تو اس صورت میں والدہ کے دل

میں بہو کی طرف سے میل آنے کا خطرہ ہے۔

(۵) کسی رشتہ دار عورت کی طرف سے فون آئے تو ساس کے ہوتے ہوئے ساس کو دے دے خود ہی ساری باتیں نہ کرے فون کی گھنٹی بجتے ہی بعض ساسوں کو بے چینی شروع ہو جاتی ہے کس کا فون ہوگا بہو نے کیا کیا باتیں کی ہوں گی اس نے کیا کیا کہا ہوگا؟

ان سب توھمات سے بچنے کیلئے ماں (ساس) کو بلالے کہ آپ بات کر لیجئے فلانی کا فون ہے۔[1]

نتیجہ بحث:

تمام تر دلائل قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ سے اور مختلف علماء کرام کی رائے سے معلوم ہوا کہ بہو کے شریعت میں فرائض ہیں تو جب اس کے فرائض ہیں تو اس کے حقوق بھی ہیں تو ان حقوق کو بھی ادا کرنا ضروری ہے ۔

هذاماعندی والله اعلم باالصواب

---

[1] حوالہ: تحفہ دلہن ص445 تا447

نقد و نظر

سگانِ مدینہ یا سگانِ اولیاء کہلوانے کی شرعی حیثیت

حافظ محمد یونس اثری [1]
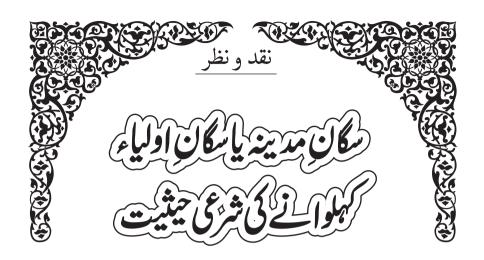
اللہ تعالی نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے، اور اس کی اس عظیم تخلیق کا ذکر قرآن مجید میں مختلف مقامات پر بڑے عظیم انداز میں بیان کیا گیا جیسا، کہ فرمان باری تعالی ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ [سورۃ التین:4]

یعنی: تحقیق ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالی نے مختلف اشیاء کی قسم اٹھا کر بیان کیا کہ ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے۔

انسان کی تخلیق کے بعد اس کی عظمت و شرف اللہ تعالی کو مزید بڑھا دیا کہ فرشتوں کو حکم دیا کہ انسان کو سجدہ کرے۔ بلکہ ابلیس اللہ کے اس حکم کے انکار کے باعث راندا گیا اور انسان کا ابدی دشمن ٹھہرا۔

بہر حال اللہ نے انسان کو جو عظمت اور شرف سے نوازا ہے اس کا تقاضہ ہے کہ انسان قول و عمل اور اللہ کی بندگی کے ذریعے اس کا شکر ادا کرے۔ لہذا خود کو درجہ انسانیت سے نکال کر کسی دوسری مخلوق کے نام سے

---

[1] مدرس المعہد السلفی کراچی

موسوم کرنے اور پکارنے سے گریز کرے۔ اور خصوصاً اس وقت کہ جب اسے باقاعدہ شرعی حیثیت دے دی جائے جیسا کہ دورِ حاضر میں ایک خاص طبقہ خود کو بڑی ڈھٹائی سے سگ مدینہ (مدینے کا کتا) یا سگ اولیاء کہلواتا نظر آتا ہے، یہ طبقہ اس لفظ کے استعمال کو اپنے لئے اچھا اور کارِ خیر سمجھتا ہے۔ اور اس لقب سے ملقب ہونے کے لئے لوگوں کو ترغیب دی جاتی ہے، اس کے استعمال کو اپنے لئے شرف وفخر سمجھا جاتا ہے۔ زیرِ دست تحریر میں اس لقب کو اختیار کرنے کی شرعی حیثیت کو بیان کیا جائے گا۔ سب سے پہلے ہم چند ایسی عبارات پیش کرتے ہیں کہ جن میں ایک مخصوص مکتب فکر کے علماء کی جانب سے اس لفظ کا استعمال واضح ہے۔

احمد رضا بریلوی:

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں [1]

اسی طرح ایک جگہ لکھتے ہیں:

تجھ سے در، در سے سگ اور سگ سے ہے مجھکو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا
اس نشان کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹا تیرا
میری قسمت کی قسم کھائیں سگانِ بغداد
ہند میں بھی ہوں تو دیتا رہوں پہرا تیرا [2]

---

[1] حدائق بخشش:48
[2] حدائق بخشش:7

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

الٰہی سن رضا جیتے جی کہ مولیٰ نے
سگان کوچہ میں چہرہ مرا بحال کیا [1]

الیاس قادری لکھتے ہیں:

''ایک عاشق رسول ترک الحمدللہ عزوجل میری سعادتوں کی معراج کہ ایک بار مجھ سا سراپا گناہ وآ ثام مسجد النبوی میں بیٹھا تھا اپنے لیٹر پیڈ پر کچھ تحریر کررہا تھا، قریب بیٹھے ہوئے ایک ترک حاجی کی نظر پیڈ پر اوپر کی جانب لکھے ہوئے نام سگ مدینہ محمد الیاس قادری پر پڑی، میرے ہاتھ سے پیڈ لیکر سگم سگان مدینہ (یعنی میں تو مدینے کے کتوں کا بھی کتا ہوں) کہتے ہوئے اس نے پیڈ کو عقیدت سے چوم لیا۔'' [2]

فیضان سنت پر تعارف مصنف لکھتے ہوئے نیاز احمد سلیمانی قادری یہ اشعار پیش کرتے ہیں:

مجھے دشمنوں نہ چھیڑو میرا ہے کوئی جہاں میں
میں ابھی پکار لوں گا نہیں دور ہے مدینہ
سگ ہوں میں عبید رضوی غوث و رضا کا
بھاگتے ہیں میرے آگے شیر ببر کا [3]

اسی طرح اپنی تحریر کے آخر میں لکھتے ہیں: ''سگ عطار نیاز احمد سلیمانی قادری'' [4]

یہ چند عبارات مشت از خروارے کے طور پر پیش کی گئی ہیں ورنہ ہر خاص و عام میں معروف ومشہور ہے کہ یہ مکتبہ فکر اپنے لئے اس لفظ کو استعمال کرنے میں افتخار محسوس کرتا ہے۔ بہرحال اس خاص مکتبہ فکر کے علماء نہ کہ صرف خود کو سگ مدینہ، سگ اولیاء وغیرہ یعنی مدینے کے کتے اولیاء کے کتے کہلواتے ہیں، بلکہ خود بھی اور عوام بھی مکمل طور پر کتے کی آواز کی نقالی کرتے ہیں، جس کی (videos) کو انٹرنیٹ پر دیکھا جا سکتا ہے۔

---

[1] حدائق بخشش: 21

[2] بیانات عطاریہ حصہ سوم: 525،524

[3] فیضان سنت: 29

[4] فیضان سنت: 48

اسی مکتب فکر کی ایک تنظیم کے بانی الیاس قادری نے خود کو سگ (کتا) کہلوانے کے لئے ایک مستقل خطاب بعنوان ''سگ مدینہ کہلوانا کیسا؟'' دیا ہے جو بیانات عطاریہ حصہ سوم میں درج ہے۔اس میں جس طرح سے شرعی نصوص کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے، ہم اس کی حقیقت کو عوام الناس کی عدالت میں پیش کیے دیتے ہیں۔تاکہ عوام الناس خود ایسے القابات کے استعمال سے نہ کہ صرف محفوظ رہیں اور انسان بلکہ مسلمان کی صحیح عزت وحرمت کی اہمیت کو بھی سمجھ سکیں کہ اس طرح کے کلمات والقابات یقیناً ایک شرعی خلاف ورزی بلکہ انسانی عظمت وشرف کے خلاف ہیں۔

چند شبہات اور ان کا ازالہ

شبہ نمبر:1

موصوف لکھتے ہیں:

''میٹھے میٹھے اسلامی بھائیوں وسوسہ یہ ہے کہ انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اس لئے اس کو کسی جانور سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔مگر یہ حقیقت ہے کہ جو انسان اللہ رحمن عزوجل کا نافرمان اور متبع شیطان ہے وہ یقینا بدتر از حیوان ہے۔''[1]

پھر آیت یہ پیش کی:

﴿لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ۝ ثُمَّ رَدَدۡنٰهُ اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ﴾[سورۃ التین:5]

یعنی: بیشک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا، پھر اسے ہر نیچی سے نیچی حالت کی طرف پھیر دیا۔

تبصرہ:

اس استدلال پر مزید کیا تبصرہ کیا جائے؟ بس اتنا ہی کافی ہے کہ اس عبارت کو بغور پڑھ کر کوئی بھی باشعور صاحب فہم وفراست شخص یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ موصوف نے یہاں لکھا ہے کہ ''جو انسان اللہ رحمن عزوجل کا نافرمان اور متبع شیطان ہے وہ یقینا بدتر از حیوان ہے۔'' اور جبکہ خود کو عاشق رسول ﷺ کہلوانے کے ساتھ ساتھ سگ (کتا) بھی کہلواتے ہیں۔یعنی ایک طرف خود کہہ رہے ہیں۔''متبع شیطان بدتر از حیوان'' اور دوسری طرف خود کو سگ (کتا) کہلوانا!! آخر موصوف اور انکے ہم نوا خود کو کس زمرے میں شامل کر رہے ہے

---

[1] بیانات عطاریہ حصہ سوم:526

ہیں؟ صاحب البیت ادری بما فیه۔ صاف ظاہر ہے **متبع شیطان کے۔**

لہٰذا موصوف کی پیش کی گئی دونوں آیتیں:

(1) ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ [سورہ والتین:5]

(2) اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ [سورۂ اعراف:179]

کا تعلق قطعاً کسی مومن، صحیح العقیدہ سے نہیں بلکہ یہ آیات تو ان کے لئے ہیں جو کفار ہیں اور شریعت کے فہم سے عاری ہیں۔

شبہ نمبر 2

''اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی ممانعت'' اس عنوان کے تحت لکھا: ''مگر شاید ابھی یہ وسوسہ باقی رہے کہ چلئے کفار جانور بلکہ جانور سے بھی بدتر سہی مگر مسلمان کو تو اپنے منہ سے خود کو کتا وغیرہ نہیں کہنا چاہئے اس ضمن میں عرض ہے کہ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو تواضع کے طور پر کتا کہے یا لکھے تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں'' [1]

تبصرہ:

موصوف نے لکھا کہ تواضع کے طور پر خود کو کتا کہنے یا لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس پر ہماری کچھ گزارشات ہیں:

اولاً: یہ کہنا کہ شرعاً کوئی حرج نہیں اس کی کوئی دلیل نہیں دی گئی۔

ثانیاً: عاجزی کے طور پر صرف کتا ہی لکھنا کافی ہے یا اس کے ساتھ دیگر جانوروں کے نام سے موسوم ہونا اور نقالی کرنا بھی جائز ہوگا؟ مثلاً خنزیر، گدھا، ریچھ، بندر، جراثیم، بیکٹیریا وغیرہ۔

جب خود کو کتا کہلوانے میں کوئی عار محسوس نہیں کی جاتی تو پھر یہ باقی ناموں پر بھی عمل کرنے میں یقیناً انہیں تامل نہیں ہوگا۔

ثالثاً: سورہ نجم کی آیت ﴿فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ [نجم:32]

جس کا ترجمہ احمد رضا بریلوی صاحب نے بھی یہی کیا ہے کہ ''تو آپ اپنی جانوں کو ستھرا نہ بتاؤ۔''

اب اس آیت سے کہاں یہ ثابت ہوتا ہے؟ کہ انسان خود کو جانور کہے اور پھر جانوروں میں سے بھی ایسے

---

[1] بیانات عطاریہ حصہ سوم: 529، 528

ناپاک جانوروں سے خودکوتشبیہ دے!! یہ کونسی عاجزی ہے؟ عاجزی کا حکم یقینا ہمیں دیا گیا ہےاور سب سے بڑے عاجزی اختیار کرنے والے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ، ہمارے اسلاف، تابعین ومحدثین تھے۔کسی نے بھی اپنی عاجزی کا اظہار ایسے ناپاک جانوروں سے خودکوتشبیہ دے کرنہیں کیا۔

رابعا: موصوف نے لکھا: ''بطور عاجزی اپنے لئے اس طرح کے الفاظ کا استعمال بزرگوں میں شروع ہی سے رائج ہے۔''[1]

تبصرہ:

الیاس قادری صاحب نے اپنے اس جملے میں بہت بڑا جھوٹ بولا ہےاور اسلاف کی بہت بڑی گستاخی بھی کی ہے۔

کیونکہ اول تو یہ کہ یہ ثابت کیا جائے اور قیامت تک یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ کسی صحابی، محدث، امام، ولی، نے خودکواس لقب سے پکارا ہو۔اب یہ لکھنا کہ اس طرح کے الفاظ کا استعمال بزرگوں میں شروع ہی سے رائج ہے۔بہت بڑا جھوٹ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ بہت بڑی گستاخی بھی ہے کیونکہ سلف صالحین کی طرف ایک پلید جانور کی نسبت کرنا کہ وہ خودکو یہ کہتے تھےاس سے بڑی اور کیا گستاخی ہوسکتی ہے؟

خودکو کتا کہلوانے والے شوق سے کہلوائیں مگر سلف صالحین کیلئے ایسے ناپاک لفظ استعمال نہ کریں۔

شبہ نمبر 3

''اپنے منہ سے خودکو عالم کہنا'' اس عنوان کے ذریعے سے اپنے مزعومہ فلسفے کوثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔[2]

تبصرہ:

موصوف نے اس کا رد کیا کہ جوخودکو عالم کہلواتا ہے یا بہت بڑا عالم سمجھتا ہے یہ طرزعمل یقیناً غلط ہے، جومسلّم بات ہے،مگراس کا ہرگز یہ مطلب تونہیں کہ خودکو کتا کہلوانا شروع کردیا جائے۔اور پھر جب آپ خود اس بات کا رد کررہے ہو کہ خودکو عالم وغیرہ کہنے والا جاہل ہوتا ہےاور یہ نہیں کہنا چاہئے ،تو پھر آپ کو دیئے

---

[1] بیانات عطاریہ حصہ سوم:529

[2] بیانات عطاریہ حصہ سوم:529

گئے یہ القابات شیخ طریقت، امیر اہل سنت، بانی دعوت اسلامی، حضرت علامہ مولانا۔۔۔۔۔ جو کتابوں پر موجود ہیں۔ یہ کیسی عاجزی ہے؟ ہماری گزارش یہ ہے، جیسا کہ پہلے گزرا کہ آپ نے لیٹر پیڈ پہ اپنے لئے سگ کے الفاظ لکھے ہیں تو پھر ان کتابوں کے ٹائٹل پر سے آپ کے نام سے پہلے یہ لفظ سگ (کتا) غائب کیوں؟ نیز مدنی منوں کی بھی یہی تربیت کریں کہ وہ آپ کو اسی لقب سے پکاریں۔ نہ کہ حضرت صاحب یا پا پا جی کہیں۔ کتنی تعجب کی بات ہے کہ ایک طرف تو خود کو عالم وغیرہ کہنے کا رد کیا جا رہا ہے اور اس کے ذریعے سے بطور عاجزی کتا کہلوانے کا رستہ نکالا جا رہا ہے اور دوسری جانب اتنے اتنے القابات۔ چہ معنی دارد؟

شبہ نمبر 4

مستدرک حاکم کی ایک روایت کو پیش کیا گیا، جس میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شیر کہا گیا۔ اس روایت کے بعد لکھا کہ:

وہ خدا کے شیر ہیں، وہ مصطفیٰ کے شیر ہیں
ہم سگ غوث و رضا ہیں، ہم سگ اجمیر ہیں [1]

تبصرہ:

خدارا ذرا غور کریں کہ آپ کا موضوع ہے، سگ مدینہ کہلوانا کیسا؟ جو دلیل پیش کر رہے ہیں کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اللہ ورسول کے شیر ہیں۔ کیا قادری صاحب کو کتے اور شیر میں فرق نظر نہیں آتا۔

ثانیاً: سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شیر کہنے کی وجہ ان کی بہادری ہے۔ اور یہ تشبیہ یہی بتانے کیلئے ہے کہ وہ شیر کی طرح بہادر اور نڈر تھے۔ بلکہ خود قادری صاحب نے بھی لکھا: ''شیر ہمت کی علامت ہے۔ بہادروں کو عموماً لوگ شیر کہہ دیا کرتے ہیں۔'' [2]

ہماری گزارش ہے کہ جب یہ علتِ تشبیہ آپ کو بھی مسلّم ہے تو پھر آخر کتا کہلوانے میں کیا علتِ تشبیہ اور مناسبت ہے؟

---

[1] بیانات عطاریہ حصہ سوم: 530

[2] بیانات عطاریہ حصہ سوم: 533

شبہ نمبر 5

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اللہ کی تلوار کہنا۔[1]

تبصرہ:

اس کی بھی وجہ اور علت تشبیہ ان کی بہادری ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تلوار کسی جانور کا نام نہیں ہے۔اس کا خود کو کتا کہلوانے سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ آپ خود کو کتا کہلوانے پہ زور اس لئے دے رہے ہیں کہ اس میں عاجزی ہے۔اب آپ غور کریں کیا یہ عاجزی کے لقب کے لئے دلیل بن رہی ہے؟

شبہ نمبر 6

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابوتراب کہنا۔[2]

تبصرہ: اس کے جواب میں بھی ہماری وہی گزارشات ہیں جو درج بالا سطور میں ذکر ہوئیں۔

شبہ نمبر 7

موصوف لکھتے ہیں: ’’علی المرتضی کرم اللہ تعالی وجہ لکریم کو مسلمانوں کا بچہ بچہ شیر خدا کہتا ہے۔صدیاں بیت گئیں مگر آج تک کسی عالم دین نے مولی علی کرم اللہ تعالی وجھہ الکریم کو شیر خدا کہنے سے نہیں روکا تو اگر بطور عاجزی و بسبب خوف خداوندی خود کو سگ مدینہ کہے تو اس پر اعتراض کیوں؟‘‘[3]

تبصرہ:

گذارش یہ ہے کہ شیر خدا کہنے اور سگ میں بڑا فرق ہے؟؟ کاش کہ یہ بات سمجھ میں آجائے۔اور انھیں شیر خاص نسبت کی وجہ سے کہا جاتا ہے جو کہ ان کی بہادری ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس لقب پہ لوگوں نے اعتراض اس لئے نہیں کیا کہ یہ وہ لقب ہے جو ان کی والدہ نے رکھا،جیسا کہ خود

---

[1] بیانات عطاریہ حصہ سوم: 531

[2] بیانات عطاریہ حصہ سوم: 532

[3] بیانات عطاریہ حصہ سوم: 534

انہوں نے ایک جنگ کے دوران یہ اشعار پڑھے۔

انَا الَّذِي سَمَّتْنِي أُمِّي حَيْدَرَهْ ... كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيهِ الْمَنْظَرَهْ

أُوفِيهِمُ بِالصَّاعِ كَيْلَ السَّنْدَرَهْ [1]

یعنی: میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے اس شیر کی طرح جو جنگلوں میں ڈراؤنی صورت ہوتا ہے۔ میں لوگوں کو ایک صاع کے بدلہ اس سے بڑا پیمانہ دیتا ہوں۔

اب اس شعر میں جو ایک جنگ کے دوران سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ کہے تھے کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔ اور حیدر کا معنی شیر ہے، جیسا کہ علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''الحیدرۃ الاسد'' [2] یعنی: حیدر کا معنی شیر ہے۔

ابن الاعرابی کہتے ہیں حیدر، شیروں کے بھی سردار کو کہتے ہیں جیسے انسانوں میں ملک بادشاہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ [3]

اسی طرح دیگر کئی ایک اہل علم نے یہی وضاحت کی ہے، جن میں امام خطابی، زمخشری وغیرہ شامل ہیں۔

ہم پہلے بھی موصوف کے مبلغ علم کی مثالیں دے چکے ہیں اور آگے بھی آئیں گی یہاں بھی قارئین ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ ایک ایسا لقب جو خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی والدہ نے رکھا۔ اور پھر اس لقب کو وہ میدان قتال میں صف جہاد میں کھڑے ہو کر کفار کو للکارتے ہوئے پڑھ رہے ہیں۔ جس سے واضح ہے کہ یہ ان کی والدہ کا رکھا ہوا ایک نام ہے، اور چونکہ سیدنا علی اسم بمسمی تھے، یعنی واقعتاً دلیر اور بہادر تھے۔ اس لئے مزید امت کے لوگوں میں اس نام سے بھی ان کا شہرہ ہو گیا۔ مگر موصوف صرف اپنے ایک خود ساختہ مؤقف کو ثابت کرنے کے لئے صحیح مسلم سے ثابت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ایک مسلّمہ لقب کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ صدیوں سے اہل اسلام نے اس سے نہیں روکا۔ جبکہ ایک ثابت شدہ لقب اور مزید یہ کہ وہ شریعت کے منافی بھی نہ ہو، اہل اسلام اس سے کیوں روکیں گے؟ لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور لقب سگ کا

---

[1] صحیح مسلم: 1807، کتاب الجھاد والسیر، باب غزوہ ذی قرد وغیرھا، صحیح ابن حبان: 6935 کتاب اخبارہ ﷺ عن مناقب الصحابۃ، باب ذکر اثبات محبۃ اللہ وجل وعلا ورسولہ ﷺ

[2] النھایۃ فی غریب الاثر: 1/ 347

[3] تہذیب اللغۃ: 4/ 410

باہم کوئی ربط نہیں ہے کہ اس سے اس لقب کے جواز پر دلیل صحیح نہیں۔

شبہ نمبر 8

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی کنیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''مشہور صحابی حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کا نام شاید ہی کسی کو معلوم ہوگا! ''ابو ہریرہ'' نام نہیں بلکہ کنیت ہے جو بارگاہ رسالت سے عنایت ہوئی تھی۔ اور ابو ہریرہ کے معنی ہے: (بلی والا، یا) بلی کا باپ۔''

سیدنا ابو ہریرہ کے نام کے بارے میں اختلاف نقل کرنے کے بعد یہ شعر بھی لکھا۔

میں غلام غلامان احمد، میں سگِ آستانِ محمد
قابل فکر ہے موت میری، قابل رشک ہے میرا جینا [1]

تبصرہ:

اولاً: موصوف نے بھی اس کا معنی لکھا ہے۔ بلی والا، جیسا کہ ابوتراب مٹی والا۔ یہاں ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کو بلی والا کہا گیا ہے، نہ کہ خود ان کو بلی کہا گیا، جس طرح کہ آپ خود کو کتا کہتے ہیں نہ کہ کتے والا۔ موصوف نے جو دوسرا معنی لکھا ہے کہ بلی کا باپ یہ معنی یہاں صحیح نہیں۔

ثانیاً: یہاں بلی والا کہا گیا نہ کہ کتا (نعوذ باللہ) اور بلی اور کتے کا فرق واضح ہے کہ جس گھر میں بلی ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:

[إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ، إِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ وَالطَّوَّافَاتِ] [2]

یعنی: یہ ناپاک نہیں ہے کیونکہ وہ تمہارے پاس ہر وقت آنے جانے والا جانور ہے۔

جبکہ کتا جس گھر میں ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

دیکھئے کس طرح خود کو کتا کہلوانے کیلئے دلائل کو کیا سے کیا بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ہم پھر

---

[1] بیانات عطاریہ حصہ سوم: 535

[2] سنن ابی داؤد: رقم الحدیث: 75، کتاب الطهارة، باب سؤر الهرة، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا، نیز امام ترمذی، امام بخاری، امام دارقطنی، امام عقیلی، امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان، امام بیہقی، امام حاکم، امام ذہبی اور امام نووی رحمھم اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

گزارش کرتے ہیں خود کو کتا کہلوانا ہے تو کہلوایئے !! کم از کم اس کے لئے شرعی نصوص کی اصل کو نہ بگاڑیئے اور اس قباحت کی اسلاف کی طرف قطعاً نسبت نہ کیجئے۔

شبہ نمبر 9

''ایک صحابی کا لقب سفینہ (کشتی) تھا۔''[1]

تبصرہ:

آپ کے موضوع سگ مدینہ کہلوانا کیسا؟ کا اس دلیل سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں۔ سفینہ کشتی کو کہتے ہیں کسی جانور کا نام نہیں۔ نیز ان کا یہ نام لقب کے طور پر مشہور ہو گیا تھا نہ کہ ان کو بلا وجہ یہ کہلوانے کا شوق تھا۔ **فافھم و تدبر**

شبہ نمبر 10

''اونٹ کا لقب پانے والا صحابی'' اس عنوان کے تحت موصوف نے لکھا:

''حضرت سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک بار تاجدار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں مجھے سفر کی سعادت ملی ہوئی تھی رفقائے سفر سے سامان کا بار اٹھانا دشوار ہو گیا انہوں نے مجھ پر سامان ڈالنا شروع کر دیا، پیارے پیارے حبیب لبیب، محبوب رب مجیب عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے قریب سے گزرے تو فرمایا: انت زاملۃ یعنی تم بوجھ اٹھانے والا اونٹ ہو۔''[2]

تبصرہ:

اولاً: صحابی کا لقب یہاں اونٹ ہے نہ کہ کتا۔

ثانیاً: یہ لقب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا ہے، اسی طرح ابو تراب، ابو ھریرہ، سیف اللہ، شیر خدا، اللہ و رسول کا شیر یہ سب نام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھے ہیں نہ کہ ان صحابہ نے خود اپنے لئے انہیں منتخب کیا۔ اب اگر آپ کو بھی کتا کہلوانے کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے تو وہ حدیث ذرا ہمیں بھی پیش کریں۔

---

[1] بیانات عطاریہ حصہ سوم: 535

[2] بیانات عطاریہ حصہ سوم: 536

ثالثاً: یہاں اونٹ کہنے میں جو تشبیہ کی علت ہے وہ بھی واضح ہے کہ صحابی نے سامان اٹھایا اس وجہ سے یہ کہا۔جبکہ کتا کہلوانا کس تشبیہ کی بنیاد پر ہے؟

شبہ نمبر 11

''ایک صحابی کا لقب حمار تھا۔''[1]

تبصرہ:

قبل اس کے کہ اس پر ہم کوئی تبصرہ کریں، موصوف نے جو نزہۃ القاری کے حوالے سے لکھا ہے، وہ ملاحظہ کریں۔

''کسی کا برا لقب رکھنا منع ہے ارشاد ہے:﴿وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو۔(پ26 الحجرات:11) پھر ان کا لقب اس عہد مبارک میں کیسے حمار تھا؟ برا لقب رکھنا ایذا اور اہانت (یعنی توہین) کا سبب ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی اس قسم کے نام کسی خاص وجہ سے لوگوں کو پیارے ہو جاتے ہیں مثلاً کسی دینی بزرگ نے یہ لقب رکھ دیا جیسے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوتراب (یعنی مٹی والا) رکھا۔ظاہر ہے کہ لغوی اعتبار سے یہ جملہ توہین کا ہے لیکن حضرت علی کو یہ نام سب سے زیادہ پسند تھا اسی قبیل (قسم) سے ابوھریرہ (یعنی چھوٹی سی بلی والا) ہے۔ ذات النطاقین (یعنی دو کمر بند والی) عرب کے عرف میں توہین کا لفظ تھا لیکن جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو ذات النطاقین (یعنی دو کمر بند والی) کہہ دیا یہ ان کے لئے سرمایہ افتخار ہو گیا۔اسی طرح امکان ہے کہ ہوسکتا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی ان کو حمار فرما دیا یا کسی اور معزز نے حمار کہہ دیا ہو جس کی وجہ سے انہیں یہ نام پسند آ گیا۔''[2]

اس عبارت کو بغور پڑھا جائے کہ موصوف نے خود تسلیم کیا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ نام ان کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا کسی اور معزز کے کہنے کی وجہ سے پڑ گیا ہوگا۔اب بتایئے اس صورت میں کیا یہ کتا کہلوانے کیلئے دلیل بن سکتا ہے۔ہرگز نہیں۔

---

[1] بیانات عطاریہ: صفحہ 537،536

[2] بیانات عطاریہ حصہ سوم: 538،537

ثانیا: وہ خود اس نام کو نہیں کہلواتے تھے بلکہ یہ لقب ان کا پڑ گیا تھا اور اس لقب پڑنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ اس حوالے سے موصوف خود ہی نقل کر چکے ہیں، اس کے باوجود عاجزی کی بنیاد پر سگ کہلوانے کے لئے اسے پیش کرنا عجیب در عجیب ہے۔

تنبیہ: مذکور صحابی کا ذکر صحیح بخاری کتاب الحدود ، باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر، و انہ لیس بخارج من الملۃ (حدیث نمبر:6780) میں مذکور ہے۔ یہ لقب قطعاً صحابی کی تنقیص کا سبب نہیں بن سکتا، اور نہ ہی سگ جیسے لقب کے لئے دلیل بن سکتا ہے۔ کیونکہ ایک مسلمہ قاعدہ ناموں کے بارے میں یہ ہے کہ جب کوئی نام کسی کا پڑ جائے تو اس میں معنی کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اس نام کو بس ایک نام کے طور پر ہی استعمال کیا جائے گا۔ ورنہ ایسی کتنی ہی مشہور شخصیات، جگہوں اور شہروں کے نام پیش کئے جا سکتے ہیں کہ جن کے ناموں میں کوئی معنویت نہیں اور ان کا جب بھی نام لیا جاتا ہے بطور نام کے ہی لیا جاتا ہے نہ کہ اس کے معنی کو شامل حال رکھا جاتا ہے۔ اس صحابی کو ان کے اسی لقب سے بھی اگر کوئی یاد کرے گا تو وہ بطور ایک نام کے یاد کرے گا نہ کہ اس کے معنی کو ملحوظ خاطر رکھے۔ اس تفصیل کے بعد اس لقب سے استدلال کرتے ہوئے سگ کا لقب رکھنا قطعاً جائز نہیں ہو سکتا، جس میں نام یا لقب رکھتے وقت معنی اور مخصوص پس منظر شامل حال ہے۔

شبہ نمبر 12

''صحابہ کرام کی عاجزیاں'' کے عنوان کے تحت صحابہ کی عاجزیوں کی مثالیں دے کر اپنے مزعومہ فلسفے کو ثابت کیا گیا۔[1]

تبصرہ:

موصوف نے اس عنوان کے تحت سعی لا حاصل کرتے ہوئے بعض صحابہ کا یہ کہنا کہ ''کاش میں پرندہ ہوتا''، ''کاش ! میری ماں نے مجھ کو نہ جنا ہوتا''، ''کاش! میں پھل دار پیڑ ہوتا''، ''کاش میں انسان نہ ہوتا''، ''کاش! میں بھیڑ کا بچہ ہوتا''، ''کاش! میں راکھ ہوتا''، ''کاش میں درخت کا پتا ہوتا''، ''کاش میں دنبہ ہوتا'' ذکر کیا ہے۔ اور اپنے تئیں جو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہم بھی عاجزی کے طور پر کتا

---

[1] بیانات عطاریہ حصہ سوم:539 تا 546

کہلوا سکتے ہیں۔اس قبیل کی عبارات سے ان کا یہ مزعومہ فلسفہ کئی ایک وجوہ کی بناء پر صحیح نہیں کیونکہ:

اولاً: ان سب الفاظ میں کسی صحابی نے خود کو نعوذ باللہ کتا نہیں کہا تو پھر اس کو اس موضوع سگ مدینہ کہلوانا کیسا؟ کے تحت لانا نرا دھوکہ ہے۔

ثانیاً: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یقیناً عجز وانکساری کے پہاڑ تھے مگر یہ جملے بطور عاجزی کے نہیں کہے بلکہ ان سب کا پس منظر اور صحابہ کرام نے جس پیرائے میں ایسے جملے کہے وہ قیامت کے منظر اور خوف آخرت وخوف الٰہی کے باعث ہے اس سے مطلق عاجزی کشید کر کے بطور عاجزی ایسے جملے کہلوانے کا مفہوم لینا غلط ہے۔

ثالثاً: وہ یہ جملے بطور القاب کہلوایا نہیں کرتے تھے بلکہ کسی موقع پر اظہار خوف آخرت کے طور پر کہہ دیئے۔ ان الفاظ سے یہاں تک تو کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام حد درجہ خوف آخرت رکھتے تھے اور اللہ کا خوف بھی ان نفوس میں کوٹ کوٹ کے بھرا ہوا تھا۔لیکن موصوف نے جو کشید کیا ہے وہ غلط ہے۔

سگ اصحاب کہف

موصوف کے مبلغ علم کی مثالوں کے جھرو کے قارئین نے ملاحظہ کیے۔مزید دیکھئے کہ ''اصحاب کہف داخل جنت ہوگا۔'' یہ عنوان قائم کیا اور اپنے اس عنوان اور اپنے اس فلسفے کو ثابت کرنے کے لئے موصوف کو قرآن واحادیث سے تو کوئی دلیل نہ ملی ،بس احمد یار خان نعیمی صاحب کی بات کو نہ جانے کتنی بڑی دلیل سمجھا ہے کہ اسے پیش کر دیا۔اس پر بھی طرہ امتیاز یہ کہ اگلا ہی عنوان یہ قائم کیا ''سگ اصحاب کہف بلعم باعور کی صورت میں داخل جنت ہوگا۔''اس عنوان کے تحت احمد رضا بریلوی صاحب کا قول پیش کیا کہ ''اصحاب کہف کا کتا بلعم بعور کی شکل بن کر جنت میں جائے گا اور وہ اس کتے کی شکل ہو کر دوزخ میں جائے گا۔''[1]

تبصرہ:

اس عبارت پر مناقشے سے قبل بلعم باعور کون تھا یہ جان لیں:

بلعم بن باعور کون تھا؟ اس حوالے سے موصوف نے جو احمد رضا بریلوی صاحب کے حوالے سے لکھا ہے وہ

---

[1] بیانات عطاریہ حصہ سوم: 552،553

ملاحظہ فرمائیں:

''اور اس (یعنی بلعم باعور) نے محبوبانِ خدا سے عداوت کی (وہ) بنی اسرائیل میں بہت بڑا عالم تھا، مستجاب الدعوات تھا (یعنی اس کی دعائیں قبول ہوتی تھیں) لوگوں نے اس کو بہت سا مال دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کیلئے بددعا کرے۔ خبیث لالچ میں آ گیا اور بددعا کرنی چاہی جو الفاظ موسیٰ علیہ السلام کیلئے کہنا چاہتا تھا، اپنے لئے نکلتے تھے۔ اللہ عزوجل نے اس کو ہلاک کر دیا۔''[1]

اس شخص کا ذکر سورۃ الاعراف: 176,175 میں کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ شخص کون تھا؟ تاہم اکثر مفسرین نے مندرجہ بالا مفہوم ہی بیان کیا ہے۔ لیکن کسی مفسر نے یہ بات نہیں کی اور نہ ہی کسی روایت سے یہ ثابت ہے کہ بلعم بعور کتے کی شکل ہو کر جہنم میں جائے گا۔

اب ہماری گزارش موصوف کی نقل کردہ گفتگو پر یہ ہے کہ:

اولاً: سگ اصحاب کہ جنت میں داخل ہوگا، اس مؤقف کی ان کے پاس قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں۔ اور نہ ہی سلف صالحین سے ایسا کوئی قول ملتا ہے۔

ثانیاً: اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ سگ اصحاب کہف جنت میں داخل ہوگا تو آپ کی اگلی عبارت میں ہے کہ وہ بلعم باعور کی صورت میں داخل ہوگا۔ اب خدارا ذرا عقل سے کام لیجئے اصحاب کہف کے کتے کو بلعم بن باعور کی صورت دینا یہ اس کی فضیلت ہے یا تنقیص؟؟ اگر انسانی صورت ہی دینی تھی تو کسی صالح آدمی کا نام لیتے۔ اور عجیب در عجیب یہ کہ انسان کو سگ بنایا جا رہا ہے اور سگ کو انسان!!

ثالثاً: آپ اپنی اس عبارت میں گویا کہ یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ جب سگ اصحاب کہف بھی کتے کی صورت میں جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اس صورت میں خود کو کتا کہلوانا تو مزید تنقیص و تذلیل کا پہلو رکھتا ہے۔ اس پر مزید یہ کہ (بقول آپ کے) ایک بدبخت شخص جہنم میں انسان کی نہیں کتے کی شکل میں داخل ہو رہا ہے۔ یہ پہلو بھی کتا کہلوانے کی مذمت میں واضح ہے۔

رابعاً: بلعم بن باعور کی قرآن مجید میں بھی تشبیہ کتے سے دے کر اس کی مذمت اور تذلیل کی گئی ہے، نیز یہاں خزائن العرفان میں نعیم الدین مرادآبادی صاحب کی تفسیر بھی ملاحظہ فرمائیے: ''یہ ایک ذلیل جانور کے

---

[1] بیانات عطاریہ حصہ سوم: 553

ساتھ تشبیہ ہے کہ دنیا کی حرص رکھنے والا اگر اس کو نصیحت کرو تو مفید نہیں، مبتلائے حرص رہتا ہے، چھوڑ دو تو اسی حرص کا گرفتار۔ جس طرح زبان نکالنا کُتّے کی لازمی طبیعت ہے۔ ایسی ہی حرص ان کے لئے لازم ہوگئی ہے۔"[1]

اب دیکھیں نعیم الدین مرادآبادی صاحب اسے ذلیل جانور سے تشبیہ قرار دیں اور پھر بھی کہلوانے والے خود کو کتا کہلوائیں۔

نیز آپکی عبارت بھی کہ "وہ کتے کی شکل ہوکر دوزخ میں جائے گا۔"[2]

اس سے صاف واضح ہے کہ انسان کو کتے سے تشبیہ دینے میں اس کی تذلیل وتنقیص ہے، کاش کہ آپ کو یہ بات سمجھ میں آجائے مگر۔۔۔۔

آنکھیں اگر بند تو دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور ہے کیا آفتاب کا

خلاصہ:

خلاصہ یہ ہے کہ صرف اس لفظ کے استعمال کو ثابت کرنے کے لئے انتھک سعی اور شرعی نصوص کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کے باوجود موصوف اپنی اس کوشش میں ناکام رہے ہیں، مثلاً صحابہ کرام کی عاجزیاں کے تحت جتنی مثالیں پیش کی گئی ہیں کہ کاش میں پتہ ہوتا یا جنا نہ گیا ہوتا وغیرہ یہ سب بطور عاجزی وہ اپنے آپ کو قطعاً نہیں کہلواتے تھے، بلکہ آخرت کا خوف اور اللہ کے خوف کی وجہ سے وہ یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ کاش میں انسان کے علاوہ دوسری مخلوقات جیسے پتہ وغیرہ ہوتا کہ مجھ سے قیامت کے دن باز پرس ہی نہ ہوتی، انکے یہ الفاظ تو اس پس منظر میں ہیں۔ مگر موصوف نے انہیں صحابہ کرام کی عاجزیاں کا عنوان دیا تاکہ عاجزی کا نام دے کر بطور عاجزی کتا کہلوانا ثابت ہوجائے مگر اس جرأت کے باوجود قرآن وحدیث اور قرون اولی میں سے وہ ایک بھی مثال ایسی پیش نہ کرسکے کہ کسی صحابی تابعی، محدث وغیرہ نے خود کو کتا کہلوایا ہو۔ باقی جن دلائل کو پیش کیا گیا ہم نے اس کی حقیقت قارئین کے سامنے رکھ دی ہے۔ اب ہم اپنے دلائل پیش کررہے

---

[1] خزائن العرفان: تحت سورۃ الاعراف آیت نمبر 176

[2] بیانات عطاریہ حصہ سوم: 552،553

ہیں، جن سے یہ ثابت ہوگا کہ کسی مسلمان کو کتا کہنا یا کہلوانا یا اس جیسے نازیبا الفاظ نہیں کہلوانے چاہییں۔

سگ کہلوانے کی مذمت، دلائل کی روشنی میں:

سگ کہلوانے کے حوالے سے موصوف نے جس انداز سے اپنے مؤقف کو ثابت کیا اس کی حقیقت بیان کرنے کے بعد اس عنوان کے تحت ہم ایسے دلائل سامنے رکھیں گے جن سے یہ ثابت ہوگا کہ خود کو کتا نہیں کہلوانا چاہئیے۔ اور نہ ہی کسی دوسرے کو کہنا چاہئے۔

(1) شریعت میں برے القاب اپنانے سے منع کیا گیا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ [الحجرات:11]

یعنی: اور ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو۔

یقیناً ایک مسلمان کو کسی جانور کے نام سے بلانا یا خود کہلوانا اور جانور بھی کتا ہو، تو یہ برا نام ہے لہذا اس کی ممانعت قرآن سے ثابت ہوئی۔

(2) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

فقلت یا رسول اللہ ﷺ ان صفیة امرأة و قالت بیدها هكذا كأنها تعنی قصیرة فقال: لقد مزجت بكلمة لو مزج بها ماء البحر لمزج [1]

یعنی: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ صفیہ تو ایسی عورت اور ہاتھ سے اشارہ کیا کہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے چھوٹے قد کو بیان کر رہیں تھیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تونے ایک ایسا کلمہ کہہ دیا ہے کہ اگر اسے سمندر کے پانی میں ملا دیا جائے تو وہ بھی متغیر ہو جائے۔

دیکھئے! ایک کلمہ جسے کہنے والی صدیقہ کائنات ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں اور پھر مزید یہ کہ کلمہ کیا کہا؟؟ چھوٹے قد والی!! اس کلمے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اتنا نازیبا کلمہ ہے کہ اس سے سمندر کا پانی متغیر ہو جائے، حالانکہ چھوٹا قد انسان کی ایک صفت ہے اس کے برعکس کوئی شخص خود کو جانور جیسے کتا کہلائے یا کہے یہ کلمہ کس قدر معیوب اور نازیبہ ہے اور ایسے کلموں اور الفاظ سے احتراز کتنا ضروری ہے؟ یہ اس حدیث کی روشنی میں بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

---

[1] جامع ترمذی: 2502، کتاب صفة القیامة والرقائق والورع، ابوداؤد: 4875 کتاب الادب، باب فی الغیبة وصححه الالبانی

(3) قرآن مجید میں کتے کے ساتھ تشبیہ بطور تذمیم کی گئی ہے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بلعم بن باعور کا ذکر گزرا ہے، اس کی تشبیہ قرآن مجید میں اس طرح دی گئی ہے:

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ [اعراف:176]

یعنی: اس کی مثال کتے کی سی ہے۔ اگر تو اس پر حملہ کرے تو زبان نکالے ہانپتا ہے اور اگر چھوڑ دے تو پھر بھی زبان نکالے ہانپتا ہے۔ یہاں یہ تشبیہ بطور تذمیم کے ہے۔ اب ایسے نادانوں کو سوچنا چاہئیے کہ جس جانور کے ساتھ تشبیہ اللہ بطور تذمیم کے کرے وہ اسے بطور عاجزی استعمال کرنے کو افتخار سمجھتے ہیں۔

مانو نہ مانو جاں جہاں تمہیں اختیار ہے

ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں

(4) اب ہم حدیث سے کچھ ایسی مثالیں پیش کر دیتے ہیں۔ جہاں کتے کا ذکر مذمت، تنقیص کے پہلو میں آتا ہے۔

❁ جو کسی کو ہدیہ دے کر واپس لیتا ہے اس کا عمل کتے کی طرح ہے کہ جب اس کا پیٹ بھر جاتا ہے تو قے کر دیتا ہے پھر اپنی قے کی طرف لوٹتا ہے اور اسے کھاتا ہے۔[1] بلکہ ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ

[لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السُّوءِ الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ][2]

یعنی ہمارے پاس اس سے بری مثال نہیں کہ تحفہ دے کر واپس لینے والا اس طرح ہے کہ جس طرح کتے نے قے کر کے اس کو چاٹ لیا ہو۔

اب اندازہ لگائیے کتے اور اس کے عمل کو اللہ کے رسول ﷺ بطور مذمت اور بری مثال کے پیش کریں اور یاران لوگ اسے عاجزی بلکہ اچھا سمجھ کر اختیار کریں۔

❁ جس گھر میں کتا ہو اس کے ثواب سے روزانہ ایک قیراط کم کیا جاتا ہے۔[3]

---

[1] بخاری:2589،کتاب الهبة و فضلها والتحريض عليها ، باب هبة الرجل لامرأته والمرأة لزوجها ، مسلم :1622،کتاب الهبات ، باب تحريم الرجوع فى الصدقة والهبة بعد القبض الا ما وهبه لولده و ان سفل

[2] جامع ترمذی: 1298،کتاب البیوع ، باب ما جاء فى الرجوع فى الهبة ، نسائی :3700کتاب الهبة

[3] بخاری :2322 ،کتاب المزارعة ، باب اقتناع الكلب للحرث،مسلم:1575 ،کتاب المساقاة

❁ رحمت کے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے۔[1]

اب بھلا کیسے ایک مسلمان یہ گوارہ کرلے کہ وہ خود کو کتا کہلوائے ایک ایسے جانور سے تشبیہ دے کہ جس کے محض رکھنے سے ہی اجر میں کمی ہو اور رحمت کے فرشتے گھر میں داخل نہیں ہوتے۔

❁ کتے کی بیع (بیچنا) ممنوع ہے۔[2]

دیکھئے کہ کتا ایک ایسا جانور ہے کہ جس کی بیع تک ممنوع قرار دے دی گئی۔ اب ایسے جانور کے نام سے ایک مسلمان کو پکارا جائے یا وہ خود کہلوائے یہ ایک مسلم کی توقیر کے خلاف ہے۔

❁ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مطلق طور پر کتوں کے مارنے کا حکم دیا اور صحابہ نے کتوں کو مارنا شروع کردیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتوں کے مارنے سے روک کر یہ فرمایا کہ اب دو نقطوں والے کالے کتے کو مارنا ہے۔[3]

بعض روایات میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کتوں کو مارنے کے حکم کی وجہ بھی موجود ہے چنانچہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ مجھے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح سویرے بڑے پریشان تھے۔ میں (میمونہ رضی اللہ عنہا) نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج آپکی جو کیفیت دیکھ رہی ہوں، آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جبریل علیہ الصلوۃ والسلام نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آج رات وہ مجھ سے ملیں گے۔ لیکن وہ نہیں آئے جبکہ وہ اس طرح وعدہ خلافی نہیں کرتے۔ وہ دن اسی طرح گزرا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں کتے کے بچے کا خیال آیا، جو چارپائی کے نیچے تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو نکلوانے کا حکم دیا، اس کو نکلوایا گیا۔ پھر اپنے ہاتھ سے پانی لیا اور اس جگہ چھڑکا پھر شام کو جبریل علیہ السلام آئے، ملاقات کی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نہ آنے کا سبب پوچھا، جبریل علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا

---

[1] بخاری :3322،کتاب بدء الخلق، باب ،اذا وقع الذباب فی شراب احدکم فلیغمسه۔۔، مسلم :2106کتاب اللباس والزینة ، باب لا تدخل الملائکه بیتا فیه کلب ولا صورة

[2] صحیح بخاری : 2086،کتاب البیوع ، صحیح مسلم :1567،کتاب المساقاة ، باب تحریم ثمن الکلب و حلوان الکاهن و مهر البغی والنهی عن بیع السنور

[3] صحیح مسلم :1572، کتاب المساقاة، باب الامر بقتل الکلاب ، و بیان نسخه و بیان تحریم اقتنائها الا لصید ،او زرع او ماشیة ونحو ذلک

تصویر ہو۔ پھر نبی ﷺ نے صبح ہی سے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ [1]

اب ذرا غور کیجئے کہ جس جانور کی موجودگی فرشتوں کی آمد بلکہ وحی کے نہ آنے کا سبب بن رہی تھی۔ اور پھر نبی ﷺ نے اس جگہ پانی چھڑکا ہو جہاں کتا تھا پھر کتوں کے قتل کا حکم دیا ہو اور صحابہ کرام نے کتے قتل کیے ہوں۔ بالآخر لوگوں کی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے صرف دو نقطوں والے سیاہ کتے کو قتل کرنے کا حکم جاری رکھا۔ مزید یہ کہ یہ کتا مدینے کا تھا اور جو کتے مارے گئے، وہ بھی مدینے کے تھے۔ اور کتوں کے حوالے سے سارے احکام ان میں سے کسی حکم میں بھی مدینے کے کتوں کو کوئی استثناء حاصل نہیں۔ مثلاً: جس طرح سارے کتے حرام ہیں، اسی طرح مدینے کے کتے بھی حرام ہیں، جس طرح دوسرے کتے گھر میں داخل ہو جائیں تو رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے اور اس بندے کے اجر سے بھی ایک قیراط کم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح مدینے کے کتوں کو اس سے استثناء حاصل نہیں۔ اسی طرح دیگر احکام میں بھی یہی معاملہ ہے۔ اب اس کے باوجود خود کو سگ مدینہ (مدینے کا کتا) کہلوانے کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ اور پھر یہ کہ یہ کتا بھی تو مدینے کا تھا جو نبی ﷺ کی چارپائی کے نیچے تھا اور جس کی وجہ سے فرشتہ نہ آیا، یہ مدینے کا ہی تھا۔ لہذا کتا چاہے مدینے کا ہو یا پاکستان کا۔ کتا، کتا ہی ہے، کتے نے کتا ہی رہنا ہے۔

عاقل نوں اک نقطہ ای کافی لوڑ نہیں دفتر دی
بے عقلاں نوں اثر نہ کردی پند نبی سرور دی

❁ اگر کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اسے سات بار دھونے کا حکم ہے۔ [2] اور حنفیہ کے نزدیک بھی تین مرتبہ دھونے کا حکم ہے۔ [3]

مذکورہ بالا ان تمام احکامات و دلائل سے اس لقب کی شناعت واضح ہے اب بھی اگر کوئی یہ لقب استعمال

---

[1] مسلم :2105، کتاب اللباس والزینة ، باب لا تدخل الملائکه بیتا فیه کلب ولا صورة ، نسائی :4283 کتاب الصید والذبائح، باب امتناع الملائکةمن دخول بیت فیه کلب

[2] صحیح بخاری : 172کتاب الوضوء ، باب الماء الذی یغسل به شعر الانسان

[3] ہدایہ، کتاب الطھارۃ

کرتا ہے تو ہم بس یہی کہیں گے کہ

مانو نہ مانو جان جاں تمہیں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں

آخر میں یہ بات بھی بیان کر دیتے ہیں کہ موصوف نے لفظ سگ مدینہ کو اپنے لئے کئی بار استعمال کیا جس کی مثالیں پہلے گزر چکی ہیں۔ اور دوسری طرف اسی لفظ کتا یا سگ کو کہاں استعمال کیا؟ اس کی مثالیں بھی دیکھیں۔ لکھتے ہیں: ''سگ ایران خسرو پرویز کے پاس۔۔'' الخ [1]

آگے جا کر لکھا'' اس ظالم و گستاخ نے نامہ مبارک کو دیکھتے ہی غصہ سے پھاڑ ڈالا اور اس بدزبان نے کہا... پرویز کا بے ادبانہ جملہ نقل کرنے کی ہمت نہیں، لہٰذا حذف کیا جاتا ہے۔ (سگ مدینہ عفی عنہ)'' [2]

اس عبارت میں لفظ ''سگ'' خسرو پرویز کے لئے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط مبارک کو پھاڑا اور گستاخی کی اور پھر یہی لفظ ''سگ'' اپنے لئے اگلی ہی عبارت میں استعمال کر رہے ہیں۔

اسی طرح یہی خسرو پرویز کے لئے احمد رضا صاحب نے بھی سگ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ [3]

اسی طرح موصوف نے ایک عنوان قائم کیا کہ گندی باتیں کرنے والا حشر میں کتے کی شکل میں آئے گا۔ اس کے تحت نقل کیا کہ'' ابراہیم بن میسرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فحش کلامی (بے حیائی کی باتیں) کرنے والا قیامت کے دن کتے کی شکل میں آئے گا۔ [4]

اسی طرح ایک جگہ خود ایک حدیث بحوالہ الترغیب والترھیب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔'' چغل خوری آخرت کیلئے سخت تباہ کن ہے۔ چنانچہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عبرت نشان ہے: غیبت، طعنہ زنی، چغل خوری اور بے گناہ لوگوں کے عیب تلاش کرنے والوں کو اللہ تعالی (قیامت کے دن) کتوں کی شکل میں اٹھائے گا۔'' [5]

---

[1] فیضان سنت :584

[2] فیضان سنت:584

[3] فتاوی رضویہ: جلد22 صفحہ نمبر 647

[4] فیضان سنت:652

[5] بیانات عطاریہ حصہ دوم:116

قارئین کرام آپ نے ان مثالوں کو ملاحظہ فرمایا کہ ان تمام عبارات میں موصوف خود بھی لفظ ''سگ'' یا ''کتے'' کو مذمت اور تذلیل کے پیرائے میں لا رہے ہیں۔ اور دوسری طرف یہی لفظ اپنے لئے بطور عاجزی استعمال کرنا۔ اور تیسرا رخ یہ کہ پھر بیسیوں القابات بھی اپنے ساتھ جوڑنا، اور ایک رخ یہ بھی ہے کہ بعض مقامات ایسے ہیں کہ جہاں احمد رضا قادری صاحب نے خود اپنے لئے اسی لفظ کو استعمال کیا۔ موصوف نے ان کے ایسے الفاظ کو بدلا، مثال کے طور پر احمد رضا صاحب کے یہ اشعار پیش کرتے ہیں:

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے شیدا ہزار پھرتے ہیں

موصوف، احمد رضا صاحب کے مذکورہ بالا اشعار پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں: مقطع میں اعلی حضرت علیہ الرحمۃ نے ازراہ تواضع اپنے آپ کو ''کتا'' فرمایا ہے۔ لیکن میں نے ادباً اس جگہ شیدا لکھ دیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔'' [1]

آپ اندازہ لگائیں کہ موصوف، احمد رضا صاحب کے بارے میں تو کتا لکھتے ہوئے بے ادبی محسوس کرتے ہیں جبکہ وہ لفظ خود انہوں نے اپنے لئے استعمال کیا ہے۔ اور دوسری طرف لکھتے ہیں جیسا کہ پہلے گزر آیا ہے کہ ''بطور عاجزی اپنے لئے اس طرح کے الفاظ کا استعمال بزرگوں میں شروع ہی سے رائج ہے۔'' [2]

اب کیا اس جملے میں بے ادبی نہیں ہے کہ ایک تو جھوٹ کہ یہ کہنا کہ شروع ہی سے رائج ہے نیز گستاخی و بے ادبی کا پہلو بھی واضح ہے افسوس ہے کہ الیاس قادری صاحب کے لئے احمد رضا صاحب، ''شروع ہی سے بزرگوں'' والے بزرگوں سے بھی بڑھ گئے۔

نیز اس جملے میں دوسری بے ادبی یہ ہے کہ وہ لوگ جو اللہ کی تمام حرام کردہ چیزوں سے دور رہنے والے تھے۔ انکی طرف حرام کی نسبت کی گئی ہے اس طرح کے جیسے پہلے گزر چکا ہے کہ کتا رکھنا وغیرہ حرام و ممنوع ہے اب یہ کہنا کہ غوث پاک کے کتے یا کسی ولی کے کتے تو ایک حرام چیز کی اس جملے میں انکی طرف نسبت ہے اور اولیاء کی طرف حرام کاموں کی نسبت کرنا یقیناً ان کی گستاخی ہے، جو کہ اس سوچ کے تمام لوگ مسلسل

---

[1] فیضان سنت: 229

[2] بیانات عطاریہ حصہ سوم: 529

کر رہے ہیں۔

اور یہاں بے ادبی کے حوالے سے یہ نقل کرنا بھی مناسب سمجھتے ہیں۔

از خدا جوئیم توفیق ادب
بے ادب محروم ماند از لطف رب
بے ادب تنہا نہ خودرا داشت
بلکہ آتش درہمہ آفاق زدا

بہر حال ان سب سے جو واضح عملی تضاد کی سی صورت ہے وہ بھی واضح ہے اور باشعور قارئین بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ سگ کہلوانے کی حیثیت خود انکی عبارات کے پیمانے میں کیا ہے؟

نیز احمد رضا کی بھی چند ایسی عبارات ملاحظہ فرمائیں جن کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جائے گی کہ کتے کا لقب اختیار کرنا کیا حیثیت رکھتا ہے:

احمد رضا بریلوی نے یہ حدیث نقل کی ہے۔امام دارقطنی وابوحاتم محمد بن عبدالواحد خزاعی اپنے جُزءحدیثی میں ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اصحاب البدع کلاب اهل النار اہلِ بدعت دوزخیوں کے کتے ہیں۔[1]

اسی طرح ایک جگہ یہ شعر نقل کرتے ہیں:

مؤذن گریباں گرفتش کہ ہیں
سگ ومسجد اے فارغ از عقل ودیں[2]

اسی طرح امام سرخسی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

امام سرخسی نے شرح صغیر میں فرمایا:

---

[1] فتاوی رضویہ: جلد نمبر 6 صفحہ نمبر 500

[2] فتاوی رضویہ: جلد نمبر 16 صفحہ نمبر 566

والاستعانۃ باھل الذمۃ کالاستعانۃ بالکلاب[1]

یعنی: ذمی سے مدد لینا کتے سے مدد لینے جیسا ہے۔

اسی طرح ایک جگہ یہ شعر نقل کرتے ہیں:

فضلہ خورانِ سگانِ اعتزال
بکتے ہیں ایسے بداقوال ضلال
اُن کی گمراہی سے تم مُنہ موڑنا
اپنے مولا کا نہ دامن چھوڑنا
وہ نہ ہوں شافع ہمارے گر وہاں
کہیے ہم سوں کا ٹھکانہ پھر کہاں[2]

خلاصہ یہ کہ ان عبارات کی روشنی میں بھی اس مسئلے کی قباحت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

یہ درھم ہونے والی محفل خود ہی درھم ہونے والی تھی
ہم کہہ کر ہوئے بدنام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اللہ جمیع معاملات میں قرآن و سنت کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

---

[1] فتاوی رضویہ: جلد نمبر 21 صفحہ نمبر 238

[2] فتاوی رضویہ: 29 صفحہ نمبر 622

شعیب اعظم مدنی [1]
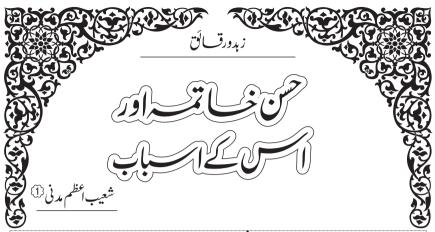
اس عالم رنگ و بو میں آنے والے ہر ذی نفس نے بالآخر موت کے جام کو پینا ہے۔ کوئی بوڑھا نہ بچہ، عورت نہ مرد اس سے مستثنیٰ ہے۔ دنیا کی یہ چمک دمک محض ایک جلوہ سراب ہے۔ یہاں آنے کی ترتیب ہے جانے کی کوئی ترتیب نہیں۔ مگر انسان ہے کہ اپنی موت کو فراموش کئے ہوئے ہے۔ بقول ایک شاعر:

موت کو بھول گیا دیکھ کے جینے کو بہار دِل نے پیشِ نظر انجام کو رہنے نہ دیا

جب اس کڑوے گھونٹ کو سب نے بھرنا ہے تو عقل سالم تقاضا کرتی ہے کہ اس راہ سے گذر آسانی سے ہو اور منزل پر استقبال بھی پرتپاک ہو۔ دنیا ایک کھیل تماشا اور امتحان گاہ ہے۔ اور کھیل اور امتحان میں عزت افزائی اور انعام اسی کو ملتا ہے جس نے میچ جیتا ہو اور جس کا نتیجہ اچھا ہو۔ الغرض اعمال کا مدار اور محور نتیجہ ہے۔ اور انسانی زندگی کا نتیجہ اچھائی اور بھلائی پر یا پھر برائی اور بدی پر خاتمہ ہے۔ انسان کا خاتمہ اگر اچھائی پر ہوتا ہے تو کامیاب ہے اور اگر برائی پر ہوتا ہے تو ناکام۔ ہماری شریعت مطہرہ نے چند ایسے اعمال بتائے ہیں جن کے کرنے سے انسان کا خاتمہ بھلائی پر ہوسکتا ہے اور کچھ ایسے کام ہیں جن سے روکا ہے ان سے رکنے سے انسان اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ زیر نظر مضمون میں انہی اسباب کی جانب رہنمائی فرمائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ان اسباب کو اپنانے کی توفیق دے تاکہ آخرت میں رب کے حضور سرخرو ہوسکے۔

(ادارہ)

[1] مدیر شعبہ تعلیم وتربیت، المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر، کراچی

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين۔

بے شک حسن خاتمہ (یعنی انسانی زندگی کا اچھائی پر انجام پذیر ہونے) کے لئے تیاری کرنا افضل ترین عمل ہے جس کا اہتمام سلف صالحین بھی کیا کرتے تھے، اور پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس بارے میں ارشاد فرمایا:

[إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ][1]

ترجمہ: ''اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے''۔

نیز ایک اور روایت میں فرمایا: ''ایک شخص اہل جہنم والے اعمال کر رہا ہوتا ہے یہاں تک کہ (جہنم اس کے اتنی قریب ہوجاتی ہے کہ) اس کے اور جہنم کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن اس پر تقدیر غالب آجاتی ہے اور وہ جنتیوں والے کام کرلیتا ہے اور جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔ جبکہ ایک شخص اہل جنت والے اعمال کر رہا ہوتا ہے یہاں تک کہ (جنت اس کے اتنی قریب ہوجاتی ہے کہ) اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن اس پر تقدیر غالب آجاتی ہے اور وہ جہنمیوں والے کام کر بیٹھتا ہے اور جہنم میں داخل ہوجاتا ہے''۔[2]

لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے خاتمے کی فکر کرے اور حسن خاتمہ کے اسباب اختیار کرے اور اس بات کا خیال بہت ضروری ہے کہ حسنِ خاتمہ کے لئے مسلمان اور موحد ہونا ضروری ہے نیز ہر وہ عمل جس کے کرنے والے کو اللہ کی رضا اور جنت کی بشارت یا ضمانت دی گئی ہو یا گناہ معاف ہونے کی خوشخبری سنائی گئی ہو یا اس عمل کی کسی ایسے عمل سے تشبیہ دی گئی ہو جو جنت میں جانے کا سبب ہو تو وہ عمل حسن خاتمہ کے لئے ایک ذریعہ ہے۔ اگرچہ ہر نیک کام کو اپنانا اور ہر برائی کو چھوڑنا حسن خاتمہ کے لئے معاون و مددگار ثابت ہوتا ہے لیکن اس موضوع میں حسن خاتمہ کے چند اسباب یاددہانی کے طور پر ذکر کئے جارہے ہیں، اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

---

[1] ابن حبان: كتاب البر والإحسان، باب ما جاء في الطاعات وتوابعها

[2] البخاري: كتاب القدر، باب في القدر

حسن خاتمہ کے اسباب

1 وضو کے بعد یہ دعا پڑھیں

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص وضو کر کے یہ دعا پڑھے:

[سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ۔] (1)

ترجمہ: اے اللہ! تو اپنی تعریفوں کے ساتھ پاک ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے علاوہ کوئی معبود (برحق) نہیں، میں تجھ سے بخشش چاہتا ہوں، اور تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں۔

تو یہ دعا ایک کاغذ پر لکھ کر اس پر مہر لگا دی جاتی ہے اور قیامت تک نہیں ٹوٹتی۔

2 اذان کے بعد یہ دعا پڑھیں

[اَللّٰهُمَّ رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ، وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ، آتِ مُحَمَّداً الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَحْمُوداً الَّذِي وَعَدْتَهُ]. (2)

ترجمہ: اے اللہ اے اس مکمل دعوت اور کھڑی ہونے والی نماز کے پروردگار! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ اور خاص فضیلت عطا فرما اور انہیں تعریفوں والے مقام پر پہنچا دے جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔

نوٹ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اذان کے بعد یہ دعا پڑھے گا وہ میری شفاعت کا مستحق ہوگا''۔

وضاحت: یہ عمل بھی حسن خاتمہ کا سبب ہے کیونکہ جسے شفاعت نصیب ہوگئی وہ کامیاب ہوگیا۔

3 یہ دعا پڑھنا بھی حسن خاتمہ کا باعث ہے

[اَللّٰهُمَّ أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُوْرِ كُلِّهَا وَأَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ] (3)

ترجمہ: اے اللہ! تمام معاملات میں ہمارا انجام بہتر فرما اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب

---

(1) السنن الکبری للنسائي: کتاب الزینة، باب ما یقول إذا فرغ من وضوئه۔ صحیح

(2) البخاري: کتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء

(3) مسند أحمد: مسند العشرة المبشرین بالجنة، مسند الشامیین، حدیث بسر بن أرطاة رضي الله عنه

سے بچا۔

نوٹ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص یہ دعا پڑھتا رہے گا اسے موت سے پہلے آزمائش نہیں آئے گی۔

4 جس نے بیماری کی حالت میں یہ دعا پڑھی اسے آگ نہیں چھوئے گی

(یعنی اس کا خاتمہ بھی بالخیر ہوگا)

حدیث میں ہے کہ جب بندہ یہ کہتا ہے:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ،

اس کا رب تصدیق کرتے ہوئے فرماتا ہے: لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا، وَأَنَا أَكْبَرُ،

اور جب بندہ یہ کہتا ہے: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ،

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا وَحْدِيْ لَا شَرِيْكَ لِيْ،

اور جب بندہ یہ کہتا ہے: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ،

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا لِيَ الْمُلْكُ وَلِيَ الْحَمْدُ،

اور جب بندہ یہ کہتا ہے: لَا إِلٰهَ إِلَّا الله وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّابالله.

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِيْ. [1]

یہ مکمل دعا اس طرح ہے:

[لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا الله وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّابالله.]

5 جو شخص یہ دعا پڑھتا ہے اس پر جنت واجب ہو جاتی ہے

[رَضِيْتُ بِاللهِ رَبّاً وَبِالْإِسْلَامِ دِيْناً وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلا]۔[2]

ترجمہ: میں راضی ہوا اللہ کے رب ہونے پر، اور اسلام کے دین ہونے پر، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول ہونے پر۔

6 سید الاستغفار

جو شخص سید الاستغفار یقین سے صبح ایک مرتبہ پڑھے اور شام سے پہلے موت آ گئی تو وہ اہل جنت میں

سے ہے، اور اگر شام کو یہ دعا پڑھی اور صبح ہونے سے پہلے فوت ہو گیا تو بھی اہل جنت میں سے ہے:

[اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلاَّ أَنْتَ، خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ، وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ، وَأَبُوءُ بِذَنْبِي فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لاَ يَغْفِرُ الذُّنوبَ إِلاَّ أَنْتَ] [1]

ترجمہ: ''اے اللہ! تو ہی میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا، اور میں تیرا بندہ ہوں، اور میں اپنی طاقت کے مطابق تیرے عہد اور وعدے پر قائم ہوں۔ میں پناہ مانگتا ہوں تیرے ذریعے اس چیز کے شر سے جس کا میں نے ارتکاب کیا، میں تیرے سامنے تیرے انعام کا اقرار کرتا ہوں جو مجھ پر ہوا، اور میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں، لہٰذا تو مجھے معاف کردے، یقینا تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف نہیں کرسکتا۔

7 سوتے وقت مندرجہ ذیل دعا کو پڑھنے کا فائدہ یہ ہے کہ اگر رات کو موت آ گئی تو اس کی موت فطرت پر ہوگی (یعنی خاتمہ بالخیر ہوگا)

[اللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ، وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ، لاَ مَلْجَأَ وَلاَ مَنْجَأَ مِنْكَ إِلاَّ إِلَيْكَ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ، وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ] [2]

ترجمہ: ''اے اللہ! میں نے اپنے نفس کو تیرے تابع کردیا ہے، اور اپنا معاملہ تجھے سونپ دیا ہے، اور میں نے اپنا چہرہ تیری طرف متوجہ کردیا ہے، اور اپنی کمر کو تیرے لئے جھکا دیا ہے، تیری طرف رغبت رکھتے ہوئے اور تجھ سے ڈرتے ہوئے، تجھ سے (بھاگ کر) سوائے تیرے اور کوئی پناہ گاہ اور جائے نجات نہیں ہے۔ میں ایمان لایا تیری کتاب پر جو تو نے اتاری ہے اور تیرے نبی (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر جنہیں تو نے بھیجا ہے''۔

---

[1] البخاري: كتاب الدعوات، باب أفضل الاستغفار

[2] البخاري: كتاب الدعوات، باب إذا بات طاهرا و فضله

8 یہ دعا کثرت سے پڑھیں

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ. رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ إِنَّ اللهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔ [سورة آل عمران۔ الآية: 8]

ترجمہ: (اور وہ یوں دعا مانگتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار! ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا اور اپنے ہاں سے رحمت عطا فرما۔ بلاشبہ تو ہی سب کچھ عطا کرنے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! بلاشبہ تو ہی سب لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ تو کبھی اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

9 وہ یہ دونوں دعائیں پڑھنی چاہئیں جو اللہ کے رسول ﷺ پڑھا کرتے تھے

(أ) [اللّٰهم مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلَى طَاعَتِكَ۔][1]

ترجمہ: اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔

(ب) [اللّٰهُمَّ مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلَي دِيْنِكَ۔][2]

ترجمہ: اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر استقامت عطا فرما۔

10 مجلس کے اختتام کی دعا پڑھتے رہیں

[سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبَ إِلَيْكَ۔][3]

ترجمہ: اے اللہ! تو اپنی تعریفوں کے ساتھ پاک ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے علاوہ کوئی معبود (برحق) نہیں، میں تجھ سے بخشش چاہتا ہوں، اور تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجلس میں اچھی باتیں ہوئی ہوں تو اس دعا کی بدولت قیامت تک کے

---

[1] مسلم: كتاب القدر، باب تصريف الله تعالى...

[2] مسند أحمد: مسند العشرة المبشرين بالجنة، مسند النساء

[3] الترمذي: كتاب الدعوات، باب ما يقول إذا قام من المجلس

لئے ان پر مہر لگ جاتی ہے اور اگر کوئی غلطی ہوگئی ہو تو معاف ہو جاتی ہے۔

11 اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرتا رہے

ہمیشہ یہ ڈر ہونا چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی گناہ ہو جائے جس کی وجہ سے اللہ تعالی ناراض ہو کر ایمان کی دولت کو چھین لے جو سب سے بڑا خسارہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ﴾ [الأعراف:99]

ترجمہ: کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہو گئے ہیں حالانکہ اللہ کی چال سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو نقصان اٹھانے والی ہو۔

12 بدعت سے دور رہنا

بدعت انسان کو برے خاتمہ کی طرف لے جاتی ہے اور ایمان کے چھن جانے کا بھی خدشہ ہوتا ہے۔

13 سنت نبوی پر عمل کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت کو تھامے رکھو اور اسے اپنی داڑوں سے مضبوطی سے پکڑے رہو، اور (دین میں) نئے کاموں سے دور رہنا کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے“۔ [1]

14 دنیا اور اس کی رنگینیوں سے دور رہنا چاہئے

کیونکہ دنیا کی رغبت انسان کے ایمان کو خراب کر دیتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾ [الحديد: الآية:20]

ترجمہ: اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سامان ہے۔

15 یتیم کی کفالت کرنا اور اس کے مال میں خیانت نہ کرنا

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ساتھ

---

[1] أبو داؤد: كتاب السنة، باب في لزوم السنة

ہوں گے (جس طرح یہ دونوں انگلیاں ساتھ ساتھ ہیں) اور اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی سے اشارہ کیا اور ان دونوں کے درمیان معمولی فاصلہ رکھا''۔ [1]

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْماً إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَاراً وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْراً﴾ [النساء: الآية:10]

ترجمہ: جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں وہ درحقیقت اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔عنقریب وہ جہنم میں داخل ہوں گے۔

16 بیواؤں اور مسکینوں کے ساتھ تعاون کرنا

حدیث میں ہے: ''بیوہ اور مسکین کے لئے بھاگ دوڑ کرنے کا ثواب اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے برابر ہے یا اس شخص کے برابر ہے جو دن میں روزہ رکھتا ہو اور رات کو قیام کرتا ہو (تہجد پڑھتا ہو)''۔ [2]

وضاحت: جہاد، روزہ اور تہجد یہ تینوں اعمال ان نیکیوں میں سے ہیں جن کی بدولت گناہ بھی معاف ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی راضی ہوتا ہے اور جنت میں جانے کی بھی بشارتیں ملتی ہیں، لہٰذا جو فضیلت ان اعمال کی ہے وہی فضیلت بیوہ اور مسکین کی دیکھ بھال کرنے کی ہے۔

17 اللہ تعالیٰ سے بے انتہا محبت کرنا

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبّاً لِلّٰهِ...﴾ [البقرة:165]

ترجمہ: اور جو ایماندار ہیں وہ تو سب سے زیادہ اللہ ہی سے محبت رکھتے ہیں۔

18 مومنوں سے محبت کرنا، دوستی کرنا اور ان پر شفقت کرنا

19 کافروں سے نفرت کرنا اور انہیں اپنا (نظریاتی) دشمن سمجھنا

---

[1] البخاري: كتاب الأدب، باب فضل من يعول يتيما

[2] البخاري: كتاب الأدب، باب الساعي على الأرملة

20 اللہ کے راستے میں جہاد کرنا

21 اللہ کے دین کے بارے میں کسی کی ملامت سے نہ ڈرنا

ان امور کی دلیل مندرجہ ذیل آیت ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ [المائدة: 54]

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) عنقریب اللہ ایسے لوگ لے آئے گا جن سے اللہ محبت رکھتا ہو اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہوں، مومنوں کے حق میں نرم دل اور کافروں کے حق میں سخت ہوں، اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوفزدہ نہ ہوں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے دے۔ وہ بہت فراخی والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

اور اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جس شخص میں یہ صفات ہوں گی وہ کبھی مرتد نہیں ہوگا، اور اس کی موت اسلام پر ہوگی۔

22 ان کاموں کو روزانہ کا معمول بنائیں

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہر انسان کی تخلیق تین سو ساٹھ (360) جوڑوں پر ہوئی ہے۔ اور جو شخص اللہ کی تکبیر بیان کرے، حمد بیان کرے، تہلیل بیان کرے، تسبیح بیان کرے، استغفار کرے اور راستے سے پتھر، کانٹا یا ہڈی کو ہٹا دے یا نیکی کا حکم دے یا برائی سے روکے اور یہ کام اس نے تین سو ساٹھ تک کئے تو اس نے اپنے آپ کو جہنم سے آزاد کر دیا"۔

نوٹ: ان اعمال کو روزانہ ادا کرنا چاہئے: کیونکہ جس دن یہ اعمال کئے ہوں اور اس دن وہ شخص فوت

ہو جائے تو وہ جہنم سے آزاد ہو جاتا ہے۔ [1]

وضاحت: یعنی اس پر جنت واجب ہو جاتی ہے اور اس شخص کا خاتمہ خیر پر ہوگا۔

23 پانچ نمازیں وقت پر اور صحیح طریقے سے ادا کرنا

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جس نے اچھی طرح وضو کیا اور خشوع وخضوع کے ساتھ وقت پر نمازیں ادا کیں اور اطمینان سے رکوع کئے تو اللہ تعالیٰ کا اس سے یہ وعدہ ہے کہ اس کی مغفرت فرمائے گا''۔ [1]

ترمذی کی حدیث ہے: ''(اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا) اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپ کو معلوم ہے کہ (فرشتوں کی) اعلیٰ جماعت کس بارے میں جھگڑا کر رہی ہے؟ میں نے کہا: جی، کفارہ کے بارے میں، اور وہ کفارہ اس بارے میں ہے کہ نمازوں کے بعد مساجد میں ٹھہرنا اور (نماز با) جماعت کے لئے پیدل جانا اور مشکل ہونے کے باوجود بھی مکمل وضو کرنا، تو جو بھی یہ کام کرے گا وہ خیر پر زندگی گزارے گا اور خیر پر ہی اس کی موت آئے گی''۔ [2]

24 کثرت سے صدقہ کرنا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى﴾ [الليل: الآية 5،6،7]

ترجمہ: پھر جس نے (اللہ کی راہ میں) مال دیا اور پرہیزگاری اختیار کی اور بھلی باتوں کی تصدیق کی تو ہم اسے آسان راہ پر چلنے کی سہولت دیں گے۔

25 سات افراد ایسے ہیں

جنہیں اللہ تعالیٰ اس دن اپنے (عرش کے) سائے میں سایہ دے گا جس دن اور کوئی سایہ ہی نہیں

---

[1] مسلم: كتاب الزكاة، باب بيان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف

[1] أبو داود: كتاب الصلاة، باب في المحافظة ... [2] الترمذي: كتاب تفسير القرآن، باب ومن سورة ص

ہوگا۔ ❶ عادل امام، ❷ اور وہ نوجوان جس کی پرورش اللہ کی عبادت میں ہوئی ہو، ❸ اور وہ شخص جس کا دل مسجد سے جڑا رہے، ❹ اور وہ دو افراد جنہوں نے اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کی ہو، ❺ اور وہ شخص جسے کسی حسین خاتون نے گناہ کی دعوت دی ہو لیکن اللہ کے ڈر سے اس نے وہ گناہ نہیں کیا، ❻ اور وہ شخص جس نے خفیہ طور پر صدقہ کیا ہو، ❼ اور وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اس کے آنسو بہہ پڑے۔ [1]

26 صلہ رحمی کرنا چاہئے اور قطع رحمی سے بچنا چاہئے

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت میں لے جائے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں اور صلہ رحمی کریں۔ [2]

صحیح بخاری کی حدیث ہے: ''جب اللہ تعالی نے مخلوقات کو بنالیا تو رحم نے (اللہ سے) عرض کیا کہ یہ وہ جگہ ہے جو ٹوٹنے (کٹنے) سے تیری پناہ مانگتی ہے تو اللہ تعالی نے فرمایا: ہاں، کیا تجھے اس بات سے خوشی نہ ہوگی کہ جو شخص تجھے ملائے میں اسے ملالوں اور جو تجھے کاٹے میں اسے کاٹ دوں۔ اس (رحم) نے کہا: کیوں نہیں (میں راضی ہوں)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو یہ آیت تلاوت کرلو: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾ ترجمہ: پھر (اے منافقو!) تم لوگوں سے کیا بعید ہے کہ اگر تم حاکم ہو جاؤ تو زمین پر فساد کرنے لگو اور قطع رحمی کرنے لگو۔ (محمد: 22) [3]

27 ہمیشہ شرک اور شرکیہ اعمال سے دور رہنا چاہئے

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا﴾ [سورة النساء: آية 48]

ترجمہ: اگر اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے تو یہ گناہ وہ کبھی معاف نہ کرے گا اور اس کے علاوہ جو گناہ

---

[1] البخاري: كتاب الأذان، أبواب صلاة الجماعة.. [2] البخاري: كتاب الأدب، باب فضل صلة الرحم

[3] البخاري: كتاب الأدب، باب من وصله وصله الله

ہیں، وہ جسے چاہے معاف بھی کردیتا ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا اس نے بہتان باندھا اور بہت بڑے گناہ کا کام کیا۔

28 مسلمان بھائیوں کی عزت کا خیال رکھنا

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''جو شخص اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کا دفاع کرتا ہے تو اللہ تعالی پر حق ہے کہ اسے آگ سے آزاد فرمادے گا''۔ [1]

29 اور سب سے زیادہ قوی بات یہ ہے کہ

اللہ رب العالمین کی کتاب کو مضبوطی سے تھام کر اس کی تلاوت کرنا، اسے سمجھنا، اس پر غور وفکر اور عمل کرنا اور ہمیشہ اسی پر قائم رہنا۔ کیونکہ قرآن مجید اللہ کی حکمتوں والی کتاب ہے اور دلوں اور ابدان کی بیماریوں کے لئے شفا ہے اور تمام مصائب کا حل ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿يَآ اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [یونس: الآیة57]

ترجمہ: لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت آچکی یہ دلوں کے امراض کی شفا اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

30 راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانا حسن خاتمہ کا ایک سبب ہے

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے: ''میں نے ایک شخص کو جنت میں کروٹیں لیتے ہوئے دیکھا ہے اور اس کی نیکی یہ ہے کہ اس نے راستہ میں آنے والے ایک درخت کو کاٹا تھا جو مسلمانوں کو تکلیف دیا کرتا تھا''۔ [2]

---

[1] مسند أحمد: مسند العشرة المبشرين بالجنة، من مسند القبائل، من حديث أسماء ابنة يزيد

[2] مسلم: كتاب البر والصلة والأداب، باب فضل إزالة الأذى عن الطريق

31 پانچ نمازوں کے ساتھ ساتھ جمعہ کی بھی پابندی کرنا حسن خاتمہ کے لئے معاون ہے

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: "پانچ نمازوں کے درمیان اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ کے درمیان کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں بشرطیکہ کبیرہ گناہ نہ کئے ہوں"۔[1]

32 کثرت سے استغفار کرنا بھی حسن خاتمہ کا ایک قوی سبب ہے

استغفار کرنے سے گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں اور جب گناہ معاف ہوتے رہیں تو انسان کا خاتمہ بھی خیر پر ہونے کا قوی امکان ہے۔

اللہ رب العالمین کا فرمان ہے: ترجمہ: اور کہا کہ اپنے پروردگار سے معافی مانگ لو، بلاشبہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔[نوح: الآیۃ 10]

استغفار کے یہ الفاظ بھی مغفرت کے لئے انتہائی مؤثر ہیں

ابوداود کی حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ کہے:

[أَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ۔]

ترجمہ: میں اللہ سے مغفرت مانگتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے اور ہمیشہ سے ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ تو اس کی مغفرت ہوجاتی ہے اگرچہ وہ میدان جنگ سے ہی کیوں نہ بھاگ گیا ہو۔[2]

وضاحت: جب انسان کی مغفرت ہوگئی تو اس کا خاتمہ بھی خیر پر ہوگا۔

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: "اللہ کی قسم؛ میں دن میں ستر سے زیادہ مرتبہ اللہ سے مغفرت مانگتا اور توبہ کرتا ہوں"۔[3]

بڑے گناہوں کے لئے توبہ ضروری ہے:

چھوٹے گناہ بہت سی نیکیاں کرنے سے خودبخود معاف ہوجاتے ہیں۔ جبکہ کبیرہ گناہ کے لئے ضروری

---

[1] مسلم: كتاب الطهارة، باب الصلوات الخمس والجمعة إلى الجمعة ورمضان...

[2] أبو داود: كتاب الوتر، باب في الاستغفار

[3] البخاري: كتاب الدعوات، باب استغفار النبي ﷺ في اليوم والليلة

ہے کہ دل سے سچی توبہ کی جائے اور توبہ کرنے والوں کو اللہ تعالی نے جنت کی خوشخبریاں سنائی ہیں، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللهِ تَوْبَةً نَصُوحاً عَسَى رَبُّكُمْ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ..﴾[التحريم : الآية8]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کے حضور خالص توبہ کرو کچھ بعید نہیں کہ تمہارا پروردگار تم سے تمہاری برائیاں دور کردے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔

33 اگر استطاعت ہو تو حج اور عمرہ ضرور کرنا چاہیئے

صحیح بخاری کی حدیث ہے: ''ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ کے درمیان کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور حج مقبول کا بدلہ تو جنت ہی ہے''۔ [1]

34 سلام کو عام کرنا

جنت میں جانے کا سبب ہے۔ [2]

35 36 محتاجوں کو کھانا کھلانا اور راتوں کو قیام کرنا جنت میں جانے کا ذریعہ ہے

ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ''اے لوگو! سلام کو عام کرو، اور (محتاجوں) کو کھانا کھلاؤ، اور (رات کو) نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہوجاؤ گے''۔ [3]

37 رمضان میں قیام کرنا اور بالخصوص لیلۃ القدر کا قیام خصوصی فضیلت کا حامل ہے

صحیح بخاری کی حدیث ہے: ''جو شخص ایمان اور احتساب کے ساتھ رمضان کا قیام کرے اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں''۔ [4]

---

[1] البخاري: كتاب الحج، باب وجوب العمرة وفضلها

[2] الترمذي: كتاب صفة القيامة والرقائق والورع، باب ما جاء في صفة أواني الحوض

[3] مسلم: كتاب الإيمان، باب بيان أنه لا يدخل الجنة إلا المؤمنون...

[4] البخاري: كتاب الإيمان، باب تطوع قيام رمضان من الإيمان

لیلۃ القدر کے بارے میں نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ''جو شخص ایمان اور احتساب (اجر کی امید کرتے ہوئے) کے ساتھ لیلۃ القدر کا قیام کرتا ہے تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں''۔ [1]

38 رمضان کے روزے رکھنا

فرمان نبوی ہے: ''جو شخص ایمان اور احتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں''۔ [2]

وضاحت: روزے رکھنے سے گناہ بھی معاف ہوتے ہیں اور تقوی بھی حاصل ہوتا ہے اور یہ دونوں اعمال حسن خاتمہ اور جنت میں جانے کے اسباب میں سے ہیں۔

39 ہر اسلامی مہینے کے تین دن (ایامِ بیض: ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵ تاریخ کو) روزے رکھنا

40 یوم عرفہ کا روزہ رکھنا

41 یوم عاشوراء کا روزہ رکھنا

اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہر مہینے تین دن کے روزے رکھنا اور ہر رمضان کے روزے رکھنا پورے زمانے کے روزے رکھنے کے مترادف ہے، مجھے اللہ سے پوری امید ہے کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے اللہ تعالی پچھلے ایک سال کے اور اگلے ایک سال کے گناہ معاف فرمادے گا، اور عاشوراء (دس محرم) کے دن روزہ رکھنے سے پچھلے ایک سال کے گناہ معاف فرمادے گا''۔ [3]

42 جھگڑے سے بچنے کی خاطر اپنے حق کو بھی چھوڑ دینا حسن خاتمہ کا ایک سبب ہے

کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''میں اس شخص کو جنت میں اعلی مقام کی ضمانت دیتا ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑے کو ختم کردے''۔ [4]

---

[1] البخاري: كتاب الإيمان، باب قيام ليلة القدر من الإيمان

[2] البخاري: كتاب الإيمان، باب صوم رمضان احتسابا من الإيمان

[3] مسلم: كتاب الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر ...

[4] أبو داود: كتاب الأدب، باب في حسن الخلق

43 44 تقویٰ کو اپنا لباس بنائیں اور حسن اخلاق کو اپنا کردار بنائیں

سنن ترمذی کی حدیث ہے: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ ایسا کونسا عمل ہے جو سب سے زیادہ جنت میں لے کر جائے گا؟ پیارے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا ڈر اور اچھا اخلاق۔ [1]

45 ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیئے

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ: ''جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے اسے جنت میں جانے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی سوائے اس کی موت کے''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف موت کا فاصلہ ہے جیسے ہی وہ فوت ہوگا جنت میں جائے گا۔ یہ بھی حسن خاتمہ کا واضح سبب ہے۔

46 سونے سے پہلے سورۃ الملک کو پڑھنا چاہیئے

ترمذی کی حدیث ہے: '' اللہ کے رسول ﷺ اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک '' آلمٓ تنزیل '' اور '' تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ '' نہ پڑھ لیتے''۔ [2]

سورۃ الملک کی فضیلت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' قرآن کی ایک سورت ایسی ہے جس کی تیس (30) آیتیں ہیں وہ (اپنے پڑھنے والے) کی سفارش کرے گی یہاں تک کہ اسے بخش دیا جائے اور وہ ہے "تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ"۔ [3]

47 والدین کی خدمت کرنا اور بالخصوص بڑھاپے میں ان کا زیادہ خیال رکھنا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہلاک ہوجائے وہ شخص، ہلاک ہوجائے وہ شخص، ہلاک ہوجائے وہ شخص

---

[1] الترمذي: كتاب البر والصلة، باب ما جاء في حسن الخلق

[2] الترمذي: كتاب فضائل القرآن، باب ما جاء في فضل سورة الملك

[3] الترمذي: كتاب فضائل القرآن، باب ما جاء في فضل سورة الملك

جس نے اپنے والدین یا ان میں کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور وہ (ان کی خدمت کر کے) جنت میں نہیں جا سکا''۔

وضاحت: اس کا نتیجہ یہ ہے کہ والدین کی خدمت کرنے والا جنت کا مستحق ہے۔اور جو جنت کا مستحق ہو اس کا خاتمہ بہتر حالت میں ہی ہوتا ہے۔

نوٹ: ہر وہ ذکر، دعا اور عمل جس سے گناہ معاف ہوتے ہیں اس کا خصوصی اہتمام کرنا چاہئے، نیز جن چیزوں سے درجات بلند ہوتے ہیں یا جنت کی بشارت ملتی ہے انہیں اپنانا بھی نہایت ضروری ہے۔

آخر میں ہم اللہ غفور رحیم سے دعا گو ہیں کہ ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے اور ہمیں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہماری موت خیر پر آئے اور ہمیں اللہ کی رضا اور جنت نصیب ہوجائے۔(آمین)

قسط:2

عبدالرشید عراقی [1]

سیرت طیبہ ماخوذ از قرآن کریم
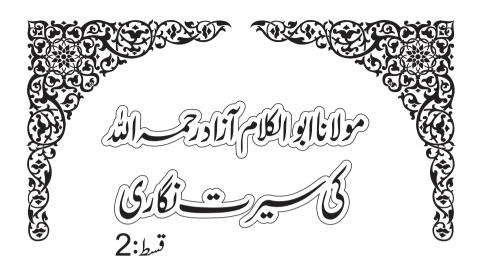
یہ کتاب طبع نہیں ہوسکی اس کا مسودہ مولانا ابوالکلام آزاد کی نظر بندی کے دوران ضائع ہوگیا۔ مولانا اس کتاب کی تالیف کے بارے میں اپنی کتاب ''تذکرہ'' میں لکھتے ہیں کہ

''جہاں تک مجھے معلوم ہے آج تک کبھی اس کی کوشش نہیں کی گئی کہ صرف قرآن حکیم میں دائرہ استناد واخذ محدود رکھ کر ایک کتاب سیرت میں مرتب کی جائے۔ جس زمانہ میں مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ سے سیرت نبویہ کے بارے میں تذکرے رہتے تھے تو ایک مرتبہ مجھے اس کا خیال ہوا تھا۔ میں نے کہا:

آپ سیرت میں ایک خاص باب یا سیرت کا ایک خاص حصہ اس عنوان سے قرار دیئے ''قرآن اور سیرت محمدیہ'' اور اس میں صرف آیات قرآنیہ کو بہ ربط وترتیب جمع کر کے دکھلایئے کہ خود قرآن سے کہاں تک آپ کی شخصیت اور آپ کے وقائع ایام معلوم ہوسکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے ان کی طبیعت میں ایک خاص بات یہ تھی کہ کوئی معاملہ ہو

---

[1] نامور مورخ و مصنف کتب کثیرہ

اور اس کی ابتداء شک اور تردد سے کیا کرتے تھے اور جب تک یقین کرنے کے لیے مجبور نہ ہو جائیں یقین نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس چیز نے اُن کی عملی زندگی کو بھی (یعنی کاروبار و انتظامات کی زندگی کو) بہت نقصان پہنچایا اور وہ کوئی عملی کام جم کر نہ کر سکے۔ ندوہ کے معاملے میں جو الجھاؤ لوگوں نے ڈالے وہ اُن کے اسی ضعیف یقین و عدم حزم صلابت ارادہ کا نتیجہ تھا ورنہ اُن سے مخالفت کرنے والوں میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو اُن کو اُن کی جگہ سے ہٹا سکتا۔ بہر حال اُنہوں نے اس خیال پر بہت ہی پسندیدگی ظاہر کی مگر وہی اپنی عادت کے مطابق اظہار شک و نا اُمیدی کہ اتنا مواد صرف قرآن سے کہاں نکل سکتا ہے کہ سیرت کا ایک باب مرتب ہو سکے لیکن جب میں نے بہت اصرار کیا تو کہا:

اچھا تم اگر یہ ٹکڑا مرتب کر دو تو سیرت کے ساتھ شامل کر دیا جائے۔

آخری یکجائی دہلی میں ہوئی تھی اس وقت انہوں نے کہا:

''اب مجھ کو بھی خیال ہو جاتا ہے کہ یہ ممکن ہے اور بہت ہی اہم چیز ہوگی۔''

چنانچہ دہلی سے آ کر میں نے کچھ وقت اس میں صرف کیا اور ایک مستقل سیرت نبویہ مجرد قرآن کریم سے ماخوذ و مستنبط شروع کر دی۔ جوں جوں قدم آگے بڑھتا گیا۔ نئے نئے دروازے کھلتے گئے اور اُمید و توقع سے کہیں زیادہ کامیابی ہوئی۔ گو یہ حقیقت پہلے سے پیش نظر تھی حتیٰ کہ اس بارے میں بڑا ذخیرہ آیات کا ذہن میں مستحضر تھا لیکن یہ بات تو کبھی وہم و گمان میں بھی نہیں گزری تھی کہ جس کتاب کو بظاہر جا بجا ذکر احکام و مسائل و قصص گزشتگان سے مملوء پاتے ہیں اس میں اس قدر وافر ذخیرہ خاص شخص رسالت کے حالات و وقائع کا بھی موجود ہوگا۔ کتاب کے مرتب ہو جانے کے بعد جو دیکھا تو ایک عجیب عالم نظر آیا، حیات و سیرت کا کوئی ضروری ٹکڑا ایسا نہیں ہے جس کے لیے قرآن میں ایک سے زیادہ آیات نہ ہوں اور پھر نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت بلکہ صحابہ کرام کے حالات و خصائص کا بھی کافی ذخیرہ موجود ملا۔ [1]

نوٹ: مولانا ابو الکلام آزاد کے پرائیویٹ سکریٹری محمد اجمل خان نے ایک کتاب بنام ''سیرت قرآنیہ سیدنا رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' مرتب کی۔ اس کتاب کا تعارف مقالہ کے آخر میں مولانا کی تصانیف کے بعد ان شاء اللہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ (عراقی)

---

[1] تذکرہ، ص: 204-205، مطبوعہ مکتبہ جمال لاہور، 1999ء

رسولِ رحمت ﷺ

یہ کتاب مولانا ابوالکلام آزاد کے سیرت طیبہ پر اُن مقالات کا مجموعہ ہے جو ہفت روزہ الہلال اور البلاغ میں شائع ہوئے۔اس کتاب کے مرتب مولانا غلام رسول مہر مرحوم ہیں،جس جگہ خلاء محسوس ہوا ہے مولانا مہر نے اپنی نگارشات سے پُر کیا ہے۔اس کتاب میں جغرافیائی تشریحات کا بھی اہتمام کیا گیاہےاور کتاب میں ضروری نقشہ جات بھی دیئے گئے ہیں۔

جناب شورش کاشمیری مرحوم لکھتے ہیں کہ

''مولانا نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ قرآن اور حیات نبوت معناً ایک ہی ہیں۔قرآن متن ہے سیرت اس کی تشریح،قرآن علم ہے تو سیرت اس کا علمی نقشہ،حضور ﷺ کا وجود مقدس ایک مجسم و مثل قرآن تھا۔غرض رسول ﷺ کے مقالات قرآن سے سیرت طیبہ کے استنباط کا ڈھنگ سکھاتے ہیں اور سلیقہ بتاتے ہیں۔مہر صاحب نے ان مقالوں پر ضروری حواشی لکھے اور بعض تمہیدی عبارتیں تحریر کی ہیں۔مولانا آزاد نے رحمۃ للعالمین کے معانی و مطالب جس بلاغت سے بیان کئے ہیں اس سے پہلے رحمۃ للعالمین کا یہ جامع و مانع تصور کسی نے بیان نہیں کیا۔

یہ کتاب (105) ابواب اور (105) مقالات پر مشتمل ہے۔اور ایک باب کے ضمن میں کئی ابواب ہیں،تفصیل درج ہے۔

1 مقدمہ	5 ابواب	2 ظہور قدسی	4 ابواب
3 بعثت و نبوت	5 ابواب	4 دعوتِ اسلام	4 ابواب
5 ہجرت حبشہ مقاطعہ اور اسریٰ	4 ابواب	6 ہجرت	10 ابواب
7 مدنی زندگی	3 ابواب	8 غزوات	2 ابواب
9 غزوۂ بدر	4 ابواب	10 غزوۂ اُحد	5 ابواب
11 غزوۂ خندق	5 ابواب	12 فتح مبین	2 ابواب
13 عالمی دعوت و تبلیغ کا آغاز	9 ابواب	14 غزوۂ حنین	2 ابواب

15 ایلاء وتخییر	3 ابواب	16 غزوۂ تبوک	8 ابواب
17 پیغام حق کے معجزنما نتائج	7 ابواب	18 حج	4 ابواب
19 وفات	4 ابواب	20 اسوۂ محمدی	6 ابواب
21 رحمۃ للعالمین	9 ابواب		

میزان: 105 ابواب

کتاب کے شروع میں حرف آغاز کے عنوان سے مولانا مہر مرحوم نے (9) صفحات میں ترتیب کتاب کی سرگزشت بیان کی ہے اس سرگزشت کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے، مولانا مہر مرحوم فرماتے ہیں:
مولانا آزاد فضائل ومکارم علم وفضل کا ایک عجیب پیکر تھے، ان کا ہفتہ وار اخبار ''الہلال'' 1912ء میں ابر بہار کی طرح فضائے کلکتہ پر نمودار ہوا وہ ظاہر و باطن میں ہر ایسے جریدے سے جداگانہ تھا جو ملک میں جاری ہو چکے تھے اور چند ہی مہینوں میں ایسی شہرت وہردلعزیزی حاصل کر لی جو نہ پہلے کسی کو حاصل ہوئی تھی اور نہ بعد میں حاصل ہوسکی۔
مولانا نے الہلال اور البلاغ میں سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر مختلف اوقات میں بہت سے مقالے شائع کئے تھے۔ وہ ربیع الاول کی تقریب میں ضرور ایک دو یا زیادہ مقالے تحریر فرمایا کرتے تھے میں نے سیرت طیبہ مقالے ترتیب دیئے۔ تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مولانا نے سیرت طیبہ پر نہایت قیمتی سرمایہ یکجا کر دیا ہے میں نے ان مقالوں میں جہاں خلاء محسوس کیا وہاں میں نے ان پر ضروری حواشی لکھے، تمہیدی عبارتیں تحریر کیں اور ان مختصر تحریروں سے پُر کر دیا۔
کتاب کا مقدمہ 2 ابواب پر مشتمل ہے، اور مقدمہ کا عنوان ہے ''سیرۃ نبوی کا مقام'' اور اس کے بعد دوسرے تین ابواب میں قرآن اور سیرۃ نبویہ، اشاعت سیرت طیبہ اور رسول اللہ ﷺ کا احترام اور اس کا مقام، پر روشنی ڈالی ہے۔
ذیل میں مولانا ابوالکلام آزاد کی چند تحریریں پیش خدمت ہیں، جن کو پڑھ کر آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مولانا کا نثر میں کیا مقام و مرتبہ تھا اور علم وفضل کے اعتبار سے وہ کس پایہ کے عالم دین تھے۔

ایلاء کی تشریح

ایلاء اصطلاح فقہ وحدیث میں شوہر اور بیوی کی اس علیحدگی کو کہتے ہیں جو بغیر طلاق کے عمل میں آئے اور جس کی صورت یہ ہے کہ شوہر غصے کی حالت میں کوئی قسم کھا بیٹھے کہ میں اپنی بیوی کے پاس نہ جاؤنگا۔اس کا ماخذ قرآن کریم کی یہ آیات کریمہ ہیں:

﴿لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾[البقرۃ:226-227]

''جولوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے کی قسم کھا بیٹھیں، ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے اگر اس عرصے میں رجوع کرلیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر طلاق کا ارادہ کرلیں تو بھی اللہ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔''(صفحہ:477)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایلاء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں بھی ایک مرتبہ ایلاء کی صورت پیش آئی آپ نے عہد فرمایا تھا کہ ایک ماہ ازواج مطہرات سے کوئی تعلق نہ رکھیں گے۔(صفحہ:477)

آیت تخییر

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا﴾[الاحزاب:28-29]

''اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اپنی بیویوں کو کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو صاف صاف کہہ دو کہ میں تمہیں اچھے طریقے سے رخصت کردوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کی طالب ہو، تو پھر اسی کی ہو رہو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیکی کرنے والوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔''

دو راستے

ازواج مطہرات کے متعلق یہ آخری اور الٰہی فیصلہ تھا۔ چونکہ توسیع نفقہ اور طلب اسباب آرام و راحت کے لیے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر زور ڈالا تھا اور اس مطالبے پر تمام بیویاں متفق ہوگئی تھیں حتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایلاء کرکے ایک ماہ کے لیے ان سے کنارہ کشی کرلی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ایک مرتبہ ہمیشہ کے لیے اس کا فیصلہ ہوجائے اور دونوں راستے ان کے آگے پیش کردیئے جائیں یا تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ میں آرام و راحت دنیوی کو بالکل خیرباد کہیں یا دنیا کے انعام ولذائذ کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت ترک کردیں۔

چنانچہ اس آیت میں فرمایا کہ دنیا اور آخرت دونوں تمہارے سامنے ہیں اگر دنیا کی طلب ہے تو صاف صاف کہہ دو تمہیں رخصت کے عمدہ جوڑے پہنا کر اپنے گھر سے باعزت واحترام رخصت کردوں لیکن اگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت چاہتی ہو، تو ان زخارف دنیوی کی خواہشوں کو یک قلم جواب دے دو کیونکہ ایسا کرنے والوں کے لیے اللہ کے ہاں بڑا ہی اجر اور ثواب ہے۔ (صفحہ:489)

مصالح وحکم تخییر

اس حکم کے نزول میں فی الحقیقت بہت سی عظیم الشان مصلحتیں پوشیدہ تھیں یہ ازواج مطہرات کے لیے بہت بڑی آزمائش تھی دنیا کو دکھلانا تھا کہ جن لوگوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں شریک کیا ہے ان کے تزکیہ باطنی اور خدا پرستی کا کیا حال ہے اگر اس طرح کے واقعات پیش نہ آتے تو ازواج مطہرات کا تزکیۂ نفس اور ان کے دلوں کی محبت الٰہی کیونکر دنیا کے سامنے واضح ہوتی۔

چونکہ توسیع نفقہ کی خواہش میں حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما نے زیادہ حصہ لیا تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لائے اور اس آیت کے حکم سے مطلع کیا ساتھ ہی فرمایا کہ اس معاملے میں جلدی نہ کرو بہتر ہوگا کہ اپنے والدین سے بھی مشورہ کرلو۔ حضرت عائشہ بے اختیار بول اٹھیں کہ بھلا اس میں مشورہ کرنے کی کیا بات ہے جب اللہ نے دو راہیں میرے سامنے واضح کردی ہیں تو اس کا جواب ہر حال میں صرف ایک ہی ہے دنیا اور دنیا کی نعمتیں آپ کی رفاقت کے سامنے کیا شے ہیں میں سب کچھ چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت اختیار کرتی ہوں

اس کے بعد اور تمام بیویوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا اور سب نے یہی جواب دیا۔ (صفحہ:390)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مفصل بیان:

ام عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ''پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے گفتگو کی اور فرمایا کہ میں تجھ سے ایک اہم امر کا ذکر کرتا ہوں لیکن کوئی مضائقہ نہیں اگر اس کا جواب دینے میں جلدی نہ کریں اور اپنے والدین سے بھی رائے پوچھ لیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم تھا کہ میرے والدین کبھی ان سے علیحدگی کی رائے نہ دیں گے۔ بہرحال اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیت تخییر پڑھی اور دنیا اور آخرت کی دونوں راہیں پیش کر دیں میں نے عرض کیا، کیا یہی بات تھی، جس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ اپنے والد سے پوچھ لو، بھلا اس میں پوچھنے کی کونسی بات ہے۔ اس کا جواب تو صرف یہی ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیتی ہوں، اور وہ دنیا کی جگہ آخرت کو لیتی ہوں۔[1] (صفحہ:490)

بصیرت کا ایک نکتہ

یہ حکم اگرچہ صرف ازواج مطہرات کے متعلق تھا مگر دراصل اس میں اس راہ کے لیے ایک عام بصیرت بھی پوشیدہ ہے۔ اس واقعے کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ دو چیزیں ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ جو دل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور مرضات کے طالب ہوں انہیں چاہیئے کہ پہلی ہی نظر میں دنیا اور اہل دنیا کی طرف سے دست بردار ہوجائیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک طرف تو اللہ کی محبت کا بھی دعویٰ ہو دوسری طرف زخارف دنیوی کے پیچھے بھی سرگرداں رہیں۔

سر مدگلہ اختصار مے باید کرد یک کار ازیں دوکار مے باید کرد
یا تن بہ رضائے یار مے باید داد یا قطع نظر زیار مے باید کرد
(صفحہ:491)

---

[1] صحیح بخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب قولہ یاایھا النبی قل لأزواجك

اُسوۂ محمدی کا ایک صفحہ

یہ کتاب کے باب (95) کا عنوان ہے۔ اوراس باب میں (45) ذیلی عنوان ہیں اور یہ باب صفحہ 699 تا 713 تک محیط ہے۔ اس باب کے چند ایک ذیلی عنوانات کے بارے میں مولانا کے ارشادات پیش خدمت ہیں اور یہ مکمل باب مولانا آزاد کے قلم سے ہیں۔ (صفحہ:713)

اسوۂ حسنہ

مولانا لکھتے ہیں:

مذہب کی قوت احتساب ان تمام چیزوں سے بالاتر ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع فرض کر کے ہم کو پوری دنیا کی مادی واخلاقی غلامی سے آزاد کر دیا ہے۔
﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الاحزاب:21]

''یقیناً تمارے لیے اللہ کے رسول کی زندگی میں پیروی واتباع کا بہترین نمونہ رکھا گیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقلید کرو کیونکہ ایک شخص کی تقلید کرنے سے دوسرے اشخاص کی تقلید کی نفی نہیں ہوجاتی، بلکہ یہ فرمایا تمہاری تقلید صرف پاک ذات میں محدود ہے کیونکہ تمہیں اعمال صالحہ کا یہ خزانہ دوسری جگہ نہیں مل سکتا۔ اس طرز بیان سے نہ صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع لازم کر دیا گیا بلکہ ساتھ ہی دوسرے تمام بڑے بڑے انسانوں کی اتباع کی نفی بھی کر دی اس لیے کہ صرف ایک ہی آفتاب ہے جس کی روشنی ظلمتِ زاردنیا کی ہر اندھیری اور ہر تیرہ تاریک راہ میں ہماری رہنمائی کرسکتی ہے۔

جو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم   نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم (صفحہ:699)

آیات واحادیث:

اسی آفتاب کی روشنی سے اورسیارے بھی روشنی حاصل کرتے ہیں اس لیے ان کا اتباع بھی ہم پر واجب ہوجاتا ہے۔

❶ [خَيْرُ الْقُرُونِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ][1]

''بہترین زمانہ میرا ہے، ان کے بعد ان لوگوں کا دور، جو اس کے بعد آئیں گے پھر وہ لوگ جو اس کے بعد اسوۂ حسنہ کی اتباع کریں گے۔''

❷ [أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ]

''میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں۔''

اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں جناب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی اس خصوصیت کا بار بار ذکر کیا ہے۔

① جو لوگ رسول اور نبی امی کی پیروی کریں گے جس کی بعثت توراۃ وانجیل میں لکھی پائیں گے، وہ انہیں نیکی کے کاموں کا حکم دے گا، برائیوں سے روکے گا، پاک ومفید چیزوں کو ان پر حلال اور ناپاک ومضر چیزوں کو حرام کرے گا۔ (الاعراف:157)

② تم لوگ بہترین امت ہو جسے اللہ نے دنیا کی ہدایت ورہنمائی کے لیے نمایاں کیا تم نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔ (آل عمران:110)

لیکن ان آیتوں کی عملی تفسیر بھی صرف احادیث کی کتابوں میں ڈھونڈنی چاہیے جن کے ذریعے سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مواقع احتساب کے ایک ایک جزیے کا پتا لگ سکتا ہے اور اس سے ثبات ہوتا ہے کہ اللہ نے ہدایت وارشاد کے لیے جو آفتاب اور سیارے پیدا کیے تھے وہ ہمیشہ ضیا گستر رہتے تھے۔ (صفحہ:700)

عقائد کی درستی

آنحضرت ﷺ کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد تصحیح عقائد تھا۔ عقائد میں بدترین چیز شرک فی اللہ تھی اور آنحضرت ﷺ نے صرف شرک ہی مٹانے کے لیے جہاد کیا جو احتساب کی آخری منزل ہے لیکن اس کے علاوہ اور بہت سے عقائد ہیں جو عام دسترس سے باہر ہیں اگر عام لوگوں کو ان میں غور وفکر کرنے کا موقع دیا جائے تو مذہبی عقائد میں بہت سے مفاسد پیدا ہوجائیں اور اسلامی عقائد کی سادگی فنا ہوجائے جو اسلام

[1] سنن ابی داود: کتاب العلم، باب الحث علی طلب العلم

کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اسی غرض سے آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کی یہ خصوصیت قرار دی تھی کہ وہ غیر ضروری چیزوں میں وقت ضائع نہیں کرتے چنانچہ عہد نبوت میں جب کبھی اس قسم کے مواقع پیش آئے ہیں تو آنحضرت ﷺ نے سختی کے ساتھ صحابہ کرام کو زجر و توبیخ کی ہے۔ (صفحہ:703)

نماز میں تخفیف میں تاکید

بعض لوگ جب امامت کرتے تھے تو نماز میں طول دیتے تھے جس سے کاروباری اور ضعیف لوگ گھبرا جاتے تھے۔ ایک شخص نے اسی بناء پر امام کی شکایت کی آپ ﷺ کو معمول سے زیادہ غصہ آ گیا اور فرمایا: ''تم مذہب سے لوگوں کو متنفر کر رہے ہو، امام کو نماز میں تخفیف کرنی چاہیے کیونکہ ان میں مریض، ضعیف کاروباری ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔[1] (صفحہ:704)

بدعت

نظام مذہبی کا سب سے بڑا خطرناک مرض بدعت ہے۔ اگرچہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں مسلمان اس مرض میں مبتلا نہیں ہو سکتے تھے تاہم جاہلیت کے زمانے کی بہت سی بدعتوں کی جھلک کبھی کبھی نظر آ جاتی تھی۔ اس لیے آپ ﷺ ان کے مٹانے میں مصروف رہتے تھے۔ (صفحہ:705)

تشدد آمیز مذہبی انہماک

لیکن ان بدعات سے زیادہ ان اصول کا مٹانا ضروری تھا جن کی بنا پر بدعات پیدا ہوتی ہیں۔ بدعات کا سب سے بڑا سرچشمہ تشدد آمیز مذہبی انہماک ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اپنے نظام عبادات کو نہایت سہل و آسان طریقے پر قائم کیا ہے۔ اس لحاظ سے اگرچہ خود اسلام کے سنگ بنیاد پر بدعت کی عمارت قائم نہیں کی جا سکتی تھی تاہم ابتداء میں صحابہ کا ایک پُر جوش و مخلص گروہ نہایت شدت کے ساتھ عبادت میں مصروف رہنا چاہتا تھا جب آنحضرت ﷺ نے ایک دن چھوڑ کے روزہ رکھنا شروع کیا تو اکثر صحابہ نے اس کی تقلید کی لیکن آپ کو نظر آیا کہ یہی چیز بدعت کا پیش خیمہ ہے۔ آپ نے صحابہ کو سختی سے منع فرمایا اس پر بھی لوگ باز نہ آئے تو معمول کے خلاف متصل روزہ رکھنا شروع کر دیا کہ لوگ خود گھبرا کر باز آ جائیں۔[2]

---

[1] صحیح بخاری: کتاب الاذان، باب تخفیف الامام

[2] صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب التنکیل

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کثرت صوم وصلوٰۃ سے اسی بناء پر روک دیا تھا۔ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے جناب ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو بھی شدت زہد سے منع فرمایا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تائید کی تھی۔[1] (صفحہ:706)

رسم ورواج کا انسداد

رسم ورواج کو جب استحکام ہوجاتا ہے تو بدعات کی طرح ان کا چھوڑنا بھی نہایت شاق گزرتا ہے حالانکہ اکثر حالتوں میں وہ بدعات سے کم ضرررساں ثابت نہیں ہوتیں اور بڑی قباحت یہ ہے کہ بعض اوقات مذہبی حیثیت پیدا کرلیتی ہیں۔ عرب میں بہت سی مضر رسمیں جاری ہوگئی تھیں جن کی پابندی نہایت ضروری خیال کی جاتی تھی اس لیے بدعات کے ساتھ ساتھ ان کا بھی انسداد کیا گیا۔ (صفحہ:706)

اخلاقی اصلاح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا اصل مقصد اصلاح اخلاق وتزکیۂ نفس تھا جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ظاہر فرمادیا تھا۔

[إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ] [2]

''میں اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔''

اور یہ مقصد ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش نظر رہتا تھا۔ اصولی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخلاق کے متعلق جو اصلاحیں کیں وہ ان کے علاوہ ہیں جزوی طور پر جب کسی شخص سے کسی قسم کی بداخلاقی کا ظہور ہوتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً اسے تنبیہ فرمادیتے تھے احادیث میں اس کی کثرت سے مثالیں ملتی ہیں۔ (صفحہ:708)

انسداد گداگری

اسلام نے زکوٰۃ کا ایک مستقل نظام قائم کردیا تھا کیونکہ خاص خاص لوگ اس کے حقیقی مستحق تھے عام طور پر اسلامی گداگری اور مفت خوری کو نہایت ذلیل پیشہ قرار دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیر

---

[1] صحیح بخاری، جزء:8، ص:32

[2] رواه البخاري في " الأدب المفرد " برقم (273)

مستحق لوگوں کو گداگری سے نہایت سختی سے روکتے تھے۔(صفحہ:708)

یہ کتاب پہلی بار 1970ء میں شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور نے علمی پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کی۔(صفحات:799)

ہندوستان میں یہ کتاب 1982 میں مطبع شیروانی دہلی سے طبع ہو کر شائع ہوئی(صفحات:799)

عقیدہ ختم نبوت

1 ایمان باللہ کی تفصیل 2 ایمان بالرسل 3 نئے ظہور پر ایمان

یہ رسالہ(80)صفحات پر مشتمل ہے۔

اس کا پیش لفظ قاضی سید احمد حسین ممبر آف پارلمینٹ (ناظم امارت شرعیہ صوبہ بہار واڑیسہ پھلواری شریف پٹنہ) نے تحریر فرمایا ہے۔

اس کے بعد عنوان ہے''توضیح'' یہ باب مولانا غلام رسول مہر کا تحریر کردہ ہے۔تیسرا عنوان ہے''میرا عقیدہ'' یہ مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریر ہے جو ہفت روزہ الہلال کلکتہ جلد 4 نمبر 1،ص:24 سے ماخوذ ہے اس کے بعد خطوط کا سلسلہ ہے اور خطوط کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1. خط مؤرخہ 15 جنوری 1936ء بنام مولانا غلام رسول مہر
2. خط مؤرخہ 14 مئی 1936ء بنام کلیم سعد اللہ خان

نئے ظہور پر ایمان

3. خط مؤرخہ 18 مارچ 1936ء بنام کلیم سعد اللہ خان
4. خط مؤرخہ 5 جون 1936ء بنام کلیم سعد اللہ خان
5. خط مؤرخہ 26 جون 1936ء بنام کلیم اللہ خان
6. خط مؤرخہ 13 جولائی 1936ء بنام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ
7. ایک اور خط۔مکتوب الیہ اور تاریخ خط مذکور نہیں۔

بیعت امامت

یہ رسالہ دراصل سورۂ بقرۃ کی آیت (62) کی تفسیر کے سلسلہ میں ترتیب دیا گیا جس کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾[البقرة:62]

''جولوگ (پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لا چکے ہیں وہ ہوں یا وہ لوگ ہوں جو یہودی ہیں یا نصاریٰ اور صابی ہوں (کوئی ہوں اور کسی گروہ بندی سے ہوں) لیکن جو کوئی بھی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا) اور اس کے اعمال بھی اچھے ہوئے تو وہ اپنے عمل کا اجر اپنے پروردگار سے ضرور پائے گا اس کے لیے نہ تو کسی طرح کا کھٹکا ہوگا اور نہ کسی طرح کی غمگینی۔'' [1]

مولانا ابوالکلام آزاد کا حاشیہ

اس اصل عظیم کا اعلان کہ سعادت ونجات ایمان سے وابستہ ہے نسل وخاندان یا مذہبی گروہ بندی کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ یہودی جب ایمان سے محروم ہو گئے تو نہ تو اُن کی نسل ان کے کام آئی نہ یہودیت کی گروہ بندی سومند ہو سکی۔ خدا کے قانون نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ کون ہیں اور کس گروہ بندی سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ صرف یہ دیکھا کہ عمل کا کیا حال ہے اور پھر جب آزمائش عمل میں پورے نہ اُترے تو مغضوب ونامراد ہو گئے۔ [2]

مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم لکھتے ہیں کہ:

مولانا ابوالکلام آزاد کی اس تحریر پر مخالفین نے بڑا ہنگامہ کیا اور اس کو خوب اچھالا اور اس میں زیادہ حصہ غلام احمد پرویز نے لیا اور طلوع اسلام کے ذریعہ خوب پروپیگنڈا کیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے اس آیت کا ترجمہ لفظ بہ لفظ کر دیا تھا۔ بات صرف اتنی تھی کہ اگر مولانا آزاد

---

[1] ترجمان القرآن 1/ 267

[2] ترجمان القرآن 1/ 267

اس کے حاشیہ میں یہ لکھ دیتے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد ایمان کا مفہوم بالکل متعین ہوگیا ہے اور اب اس کا مفہوم یہ ہے نجات اخروی کے لیے اب آنحضور ﷺ پر ایمان لانا لازم، لابد اور ناگزیر ہے۔ قرآن میں اکثر جہاں بھی ایمان لانے کی دعوت ملے گی وہاں عموماً ایمان کی تفاصیل نہیں ملیں گی۔ اٰمِنُوا میں ان تمام امور پر ایمان لانا ضروری ہوگا۔ جن پر جگہ جگہ قرآن ایمان لانے کی مختلف اسالیب سے دعوت دیتا ہے لہٰذا ایمان کی تعریف ہی یہ قرار پا گئی ہے کہ اللہ پر ایمان، اس کی توحید کے ساتھ، اس کی صفات کمال پر ایمان، یوم آخرت پر ایمان، جزا وسزا پر ایمان، جنت و دوزخ پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، وحی پر ایمان، کتابوں پر ایمان، نبوت و رسالت پر ایمان، اور اس پر ایمان کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ آخری نبی اور آخری رسول ہیں اور قیامت تک آپ ﷺ کی دعوتِ رسالت کا دور جاری وساری رہے گا۔ میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ مولانا آزاد ان تمام باتوں کو مانتے تھے لوگوں نے مولانا سے پوچھا، تو مولانا نے جواب دیا کہ ''میرا عقیدہ وہی ہے جو تمام مسلمانوں کا ہے''

اور وہ عقیدہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت اور قرآن کے نزول کے بعد اب نجات اخروی کا دارومدار صرف حضور ﷺ کی اتباع اور آپ ﷺ کی اطاعت اور قرآن کی پیروی پر ہے۔ آپ ﷺ سے پہلے کے رسولوں پر ایمان اور سابقہ کتب سماوی پر ایمان اور ان کے مطابق عمل سے اب نجات اخروی نہیں ہوگی۔

پھر مولانا سے سوال کیا گیا کہ آپ نے یہاں یہ بات کیوں نہیں لکھی۔

مولانا نے جواب دیا کہ اس مقام پر آیت میں جو بات فرمائی گئی ہے میں نے اتنی ہی بات پر اکتفاء کیا ہے۔ [1]

قرآن مجید کے معانی و مطالب کو سیکھنے کے لیے کچھ اصول وضوابط ہیں۔

مولانا آزاد اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''ہر کتاب اور تعلیم کے کچھ مرکزی مقاصد ہوتے ہیں اور اس کی تمام تفصیلات انہی کے گرد گردش کرتی ہیں جب تک مراکز سمجھ میں نہ آئیں۔ دائرہ کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آسکتی۔ قرآن کا بھی

[1] مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم سیرت وشخصیت اور علمی و عملی کارنامے، ص:55-56

یہی حال ہے۔اس کے بھی چند مرکزی مقاصد ومہمات ہیں اور جب تک وہ صحیح طور پر نہ سمجھ لیے جائیں اس کی کوئی بات صحیح طور پر سمجھی نہیں جاسکتی''۔ (ترجمان القرآن)

سورہ بقرۃ کی مذکورہ بالا آیت نمبر 62 کی تفسیر کے سلسلہ میں مولانا محمد ابراہیم میری سیالکوٹی رحمہ اللہ نے بھی اپنی تفسیر ''واضح البیان فی تفسیر ام القرآن'' میں ہدف تنقید بنایا ہے۔مولانا غلام رسول مہر نے یہ بات مولانا آزاد کے نوٹس میں بذریعہ خط لائی تھی لیکن مولانا ابوالکلام نے اس پر کوئی توجہ نہ کی اس لیے کہ مولانا آزاد نے مولانا غلام رسول مہر کو اپنے خط جو یہ 15 جنوری 1936ء کو لکھا تھا کہ

''1918ء سے میں نے جن تین باتوں کا عہد کیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی شخص کو جو مناظرانہ طریقہ سے میرے خلاف کچھ لکھے گا نہ تو جواب دوں گا اور نہ اپنی شکایت سے اپنے نفس کو آلودہ ہونے دوں گا۔''[1]

جب مولانا آزاد کے خلاف آیت نمبر 62 کی تفسیر کے سلسلہ میں فضا مکدّر ہوتی نظر آئی تو مولانا مہر نے مولانا ابوالکلام آزاد کو اس سے مطلع فرمایا تو مولانا آزاد نے مولانا مہر کو لکھا۔

''جس طرح اصل دین کی دعوت کامل ہوچکی اور وہ ان تمام پچھلی دعوتوں کا جامع اور مشترک خلاصہ ہے ٹھیک اسی طرح شرع اور منہاج کا معاملہ بھی کامل ہوچکا ہے اور وہ تمام پچھلے شرائع کے مقاصد وعناصر پر جامع وحاوی ہے البتہ یہ ظاہر ہے کہ اس بحث کا محل تفسیر سورۃ فاتحہ یا سورۃ بقرۃ نہیں سورۃ احزاب ہے۔[2]

مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم اپنے عقیدہ کے بارے میں اپنے اخبار ہفت روزہ الہلال جلد 4، نمبر 1،ص:24 پر فرماتے ہیں۔

''میں الحمدللہ اپنے اندر اتنی ایمانی قوت رکھتا ہوں، کہ جس امر کو حق تسلیم کرلوں اس کا اُسی وقت اعلان بھی کردوں۔ میں اعتقاد توحید ورسالت اور عمل صالحہ کو نجات کے لیے کافی سمجھتا ہوں اس

---

[1] عقیدہ ختم نبوت،ص:26

[2] عقیدہ ختم نبوت،ص:16

کے سوا مجھے اور کچھ معلوم نہیں۔قرآن کریم مسلمانوں کا حقیقی امام ہے۔

﴿وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ.﴾[یس:12] [1]

خط بنام مولانا غلام رسول مہر 15 جنوری 1936ء کہ

''ایمان باللہ کی تفصیل کیا ہے، اور نہ صرف ایمان بالرسل، بلکہ ایمان بالکتب و بالملائکۃ و بالیوم الآخر اس میں داخل ہے''۔(صفحہ:22)

اور خط بنام کلیم سعد اللہ خان 14 مئی 1936ء کہ

''ایمان سے مقصود یہ ہے کہ اللہ پر، اللہ کے رسولوں پر، یوم آخرت پر اور قرآن اور صاحبِ قرآن پر ایمان لائے، اور عمل سے مقصود وہ اعمال ہیں جنہیں قرآن نے اعمال صالحہ قرار دیا ہے''۔(صفحہ:36)

خط بنام کلیم سعد اللہ خان 26 جون 1936ء کہ

حدیث حجت شرعی ہے، مولانا فرماتے ہیں:

''آپ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ صحیح حدیث آپ کے نزدیک حجت ہے یا نہیں۔ میں اس کا کیا جواب دوں، یہ سوال آپ اس شخص سے کر رہے ہیں جس نے اپنی بے شمار تحریروں میں نہ صرف احادیث کو حجت شرعی اور واجب العمل ثابت کیا ہے بلکہ صاف صاف لکھ دیا ہے کہ ﴿يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ میں ''حکمت'' سے مقصود سنت ہے کہ [أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ]

ایں دو شمع اند کہ از یک دگر افروختہ اند۔(صفحہ:58)

خط بنام شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری 13 جولائی 1936ء مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے مولانا ابوالکلام آزاد کے نام ایک مکتوب مفتوح شائع کیا تھا کہ مولانا ابوالکلام آزاد اپنے نظریہ ظہور مسیح اور حدیث مجدّد کی وضاحت فرمائیں۔

مولانا آزاد نے ایک خط کے ذریعہ اپنے نظریہ کی وضاحت فرمائی، اس خط کا ایک اقتباس درج ذیل ہے۔

''بلاشبہ روایات میں نزول مسیح علیہ السلام کی خبر دی گئی ہے اور صحیحین کی روایات اس باب میں

---

[1] عقیدہ ختم نبوت، ص:17

معلوم ومشہور ہیں، اس سے کیسے انکار ہے، لیکن اس معاملہ کا تعلق قیامت کے آثار ومقدمات سے ہے نہ کہ تکمیل دین کے معاملہ سے نیز انہی روایات میں تصریحات موجود ہیں کہ حضرت مسیح کا نزول بحیثیت رسول کے نہ ہوگا میں سمجھتا ہوں کہ اس 1300 برس میں مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ یہی رہا ہے کہ دین ناقص نہیں اور اپنی تکمیل کے لیے کسی نئے ظہور کا محتاج نہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے۔ میں آپ کو اس کا کیا جواب دوں کہ آپ کو میرے عقیدہ کی خبر نہیں۔ کیا آپ کی نظر سے میری بے شمار تحریرات نہیں گزر چکی ہیں۔ یہ سوال آپ اس شخص سے کر رہے ہیں جو اپنی تحریرات میں نہ صرف حدیث کو حجت اور واجب العمل ثابت کر چکا ہے بلکہ جس کو اس فہم کی توفیق ملی ہے کہ ''يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ '' میں ''حکمت'' سے مقصود ''سنت'' ہے۔ اور جس نے جا بجا مقدام کی روایت سے استدلال کیا ہے''۔

[أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ]

نیز روایت مشہورہ

[أَلَا يُوشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلَى أَرِيكَتِهِ يَقُولُ عَلَيْكُمْ بِهَذَا الْقُرْآنِ فَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَلَالٍ فَأَحِلُّوهُ، وَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوهُ] [1]

اتنا ہی نہیں بلکہ جس کی تمام قلمی جدوجہد دعوت اتباع کتاب وسنت پر مبنی رہی ہے اور جس کے عقیدے میں کتاب کا ہر اتباع اتباع نہیں جو سنت کے اتباع سے خالی ہو۔

ایں دو شمع اند کہ از یک دگر افروختہ اند۔ (صفحہ:69-70)

یہ رسالہ دوسری بار جنوری 1996ء میں مسرز اد بستان رنگ محل لاہور نے لاہور آرٹ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

سیرتِ قرآنیہ سیدنا رسول عربی ﷺ

از محمد اجمل خاں، پرائیویٹ سکریٹری، مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ، صفحات: 512، پہلا اُردو

[1] سنن الترمذی: کتاب العلم

ایڈیشن، رجب 1375ھ جنوری 1956ء سیف اسلام خاں (جامعی) نے الجمعیۃ پریس دہلی میں چھپوا کر بیت الحکمت دہلی (ہند) سے شائع کی۔

اس کتاب کا تعارف پیش کرنے سے قبل ضروری ہے کہ مؤلف کتاب پروفیسر محمد اجمل خاں مرحوم کے بارے میں بتایا جائے کہ ان کی زندگی کا حدود اربعہ کیا ہے۔ شورش کاشمیری مرحوم اپنی کتاب ''ابوالکلام آزاد'' میں لکھتے ہیں کہ

''پروفیسر محمد اجمل خاں مولانا کے پرائیویٹ سکریٹری تھے۔ الہ آباد یونیورسٹی میں اُستاد رہے پھر علی گڑھ میں کچھ عرصہ گزارا وہاں سے رابندر ناتھ ٹیگور کے شانتی نیکتن میں چلے گئے۔ معلوم نہیں مولانا سے کس سال وابستہ ہوئے ایک دفعہ پرائیویٹ سکریٹری ہو گئے تو مولانا کی وفات تک ساتھ رہے اجمل خود ایک فاضل انسان تھے۔ اُردو، فارسی، عربی اور انگریزی میں خصوصی ملکہ تھا۔ مولانا سے متعلق ایک نا تمام سا مضمون ''اُردو ادب علی گڑھ'' کے آزاد نمبر میں لکھا ''آجکل'' دہلی میں بھی ایک واجبی سا مضمون تحریر کیا۔ مولانا کے نام بعض خطوط اور ان کے جوابات کا ایک کتابچہ ''ملفوظاتِ آزاد'' مرتب کیا، اور کئی ناشروں نے چھاپا''۔

اجمل خاں خود صاحب قلم تھے، ان کے قلم سے ''غبار خاطر'' کا دیباچہ معمولی چیز نہیں۔ مولانا کی وفات کے بعد ''سائیتہ اکیڈمی دہلی'' کے سکریٹری بنائے گئے، حتیٰ کہ راجیہ سبھا کے ممبر ہو گئے لیکن ان سے مولانا کے متعلق ہر توقع رہ گئی تا آنکہ واصل بحق ہو گئے۔ احقر سے ان کے تعلق دوستانہ ہی نہیں برادرانہ تھے۔ [1]

تعارف کتاب

مصنف غلام نے ''حرف اول'' کے عنوان سے اس کتاب کی تالیف کا پس منظر بیان کیا ہے جو پانچ صفحات پر محیط ہے، اس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے۔ پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ

''بڑے آدمیوں کی زندگی کے حالات جاننا بالکل بے سود ہے اگر ہم اُن کی زندگی کو نمونہ بنا کر اپنی زندگی کو اس سانچے میں نہ ڈھالیں اور اپنی زندگی بھی ویسی ہی شاندار نہ بنا سکیں۔ رسول عربی ﷺ سے

---

[1] ابوالکلام آزاد، ص: 39-40

پہلے جن رہبروں کے حالات ہمارے سامنے آتے ہیں اُن میں سے اکثر دیوتا بنا دیئے گئے ہیں اسی لیے ان کی تقلید ناممکن ہے۔ہم آئندہ صفحات میں ایک ایسے انسان کی زندگی پیش کرتے ہیں جو ہماری طرح ہی بشر تھے جو دیوتا یا فرشتہ نہ تھے کہ کوئی ان کی پیروی نہ کرسکے وہ ایسی عدیم المثال شخصیت تھے جنہوں نے مسلسل 23 سال تک اپنے عہد کے توہمات کے خلاف جہاد کیا، تکلیفیں اُٹھائیں، مقاطعہ اور قید کی مصیبتیں جھیلیں، پتھر کھائے، قاتلوں کی تلواروں کا نشانہ بنے، جلاوطنی پر مجبور ہوئے لیکن جس کام کو شروع کیا تھا اس کو کسی لالچ یا خوف سے چھوڑنے پر تیار نہ ہوئے۔تاریخ میں ہمیں صرف ایک ذات نظر آتی ہے جس نے بے غرضی سے دنیا والوں کو تاریکی سے نکالنے کے لیے اتنی مصیبتیں اُٹھائی ہوں اور آخر کار اس میں کامیابی حاصل کی۔یہ ذات گرامی حضرت محمد ﷺ کی تھی۔(صفحہ:3)

سیدنا محمد عربی ﷺ کی بے شمار سیرتیں لکھی جا چکی ہیں ان سب کا ماخذ احادیث واخبار نبوی کے علاوہ مغازی وسیر کی کتابیں بھی ہیں جہاں تک احادیث کا تعلق ہے۔اُن کی روایت ودرایت کے سلسلے میں عظیم الشان کام ہو چکا ہے۔(صفحہ:4)

اسلام کوئی نیا مذہب نہیں ہے۔ابتدائے تمدن سے ہر ملک وقوم میں ایسے مصلح پیدا ہوتے رہے ہیں جو کہتے رہے ہیں کہ ﴿اَللّٰهُ رَبِّي فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ﴾[سورۃ مریم:36]

اللہ کو آقا ماننا، اسی کی بندگی کرنا ہی دین فطرت ہے، کسی دیوتا، انسان یا درخت کے آگے جھکنا شرف علّو وانسانیت کو غارت کرنا ہے اسلام یعنی اطاعت الٰہی کے مقابلہ میں کفروشرک والحاد ہمیشہ شیطان کی تعلیم دیتے رہے اور عقل انسانی کو اندھیرے(کفر، انگریزی کور جرمن کفر یعنی ڈھکنے)اور ظلمت میں رکھ کر جاہل انسانوں کو لوٹتے رہے اسی لیے اسلام کی تعلیم تھی۔

﴿يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾[سورۃ المائدۃ:16]

ادیان عالم وادیان جاہلیہ کو جاننے کے بعد خود اہل عرب کی سوشل حالت کو ان کی مادی وذہنی تاریخ کو پس منظر اسلام کا ایک جزو سمجھنا ضروری ہے۔پھر یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ اہل کتاب کی کیا حالت تھی اور ان کی وہ حالت کیوں تھی۔(صفحہ:6)

اسلام صرف ایک اخلاق وکردار کی اصلاح کا پیغام نہیں ہے، بلکہ وہ ایسی انقلابی سوسائٹی کا قیام ہے جس میں سماج یا معاشرہ ذہنی اور مادی ترقی پر مجبور ہے یعنی اسلام ایک ایسا ذہنی انقلاب پیدا کرتا ہے جو دین

ودنیا، روح ومادہ، فکروعمل کے تضاد کو مٹا دیتا ہے۔علم وعمل کے دروازے ہر مرد وزن کے لیے یکساں طور پر جبراً کھول دیتا ہے اور دنیوی یا معاشی ترقی کے لیے ایسی کتابی آمریت قائم کر دیتا ہے کہ ساحر و کاہن کے فریب، عقل وفراست مومن کے سامنے گرد ہو جاتے ہیں۔(صفحہ:6)

جناب رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس طرح دنیا کو افراط وتفریط سے نکال کر اعتدال پر ڈالا، اور کس طرح سماجی ومعاشی ناہمواریوں کو دور کر کے ایک صالح معاشرہ کی بنیاد ڈالی۔

''یہ سب باتیں اس کتاب میں بیان کی گئی ہیں۔(صفحہ:7)

کتاب کے ابواب کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مقدمہ: سیرت قرآنیہ

پہلی کتاب: پس منظر اسلام اس میں 6 فصلیں ہیں اور ذیلی عنوانات کی تعداد 93 ہے۔

دوسری کتاب: قرآن اس میں 4 فصلیں ہیں اور ذیلی عنوانات کی تعداد 23 ہے۔

تیسری کتاب: سیرت الامین اس میں 10 فصلیں ہیں اور ذیلی عنوانات کی تعداد 588 ہے۔

حرف آخر

سیرت نبوی کا دنیا کو پیغام ذیلی عنوانات :9

خلاصہ تعلیم کلیہ ذیلی عنوانات:9

پیام محمدی کی مشکلات پر نظر ثانی

پہلی قسم لسانی دشواریاں

دوسری قسم فلسفانہ دشواریاں ذیلی عنوانات:6

تیسری قسم تاریخی دشواریاں ذیلی عنوانات:12

کل میزان: 240

کتاب کے چند اقتباسات:

ذیل میں مختلف فصلوں سے اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔

1 دین اللہ ایک ہی ہے

بعض تحزب پسند فرقہ پرست جیسے کہ یہود تھے یہ سمجھتے تھے کہ صرف ان کا دین حق ہے اور وہی خدا کے برگزیدہ بندے ہیں اور ان کا خدا (یہوا یا الوہیہ) ان کا مخصوص خدا ہے، اس تحزب کو قرآن نے ختم کر دیا اور بتایا کہ مختلف اقوام کو جو دین (قانون زندگی) خدائے عالمیان کے قانون پر چلنے کا حکم دیتا ہے۔ وہ دین اللہ ہے یہ الٰہی قانون قسط وعدل وامن ہر ملک اور ہر زمانے میں ایک ہی رہا ہے۔ یعنی خدا کی بندگی کے ساتھ ساتھ عمل صالح کرنا۔ دین اللہ یا صراط اللہ یا اسلام ہے۔ آدم ونوح، موسیٰ وعیسیٰ کا بتایا ہوا راستہ بھی اسلام یا دین اللہ ہے اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بتایا ہوا راستہ بھی وہی راستہ ہے جو دین اللہ بتانے والے قدیم انبیاء بتا چکے ہیں، غرضیکہ دین اللہ ہمیشہ ایک ہی رہا ہے۔ (صفحہ:19)

2 اسلام کا حقیقی ماخذ قرآن ہے

صرف قرآن ہی ایسی مقدس کتاب ہے۔ جو اپنے اصلی الفاظ میں باقی ہے اس میں نہ صرف اسلام کی حقیقی تعلیم ہے بلکہ وہ طریقہ کار بھی ہے جو اسلام کے عربی پیغمبر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں نے اسلام کو زندہ اور قائم کرنے کے لیے استعمال کیا تھا۔ (صفحہ:76)

3 اسلام اور کل دینوں کا پیغام

نہ صرف میرا بلکہ جتنے خدا کے ایلچی گزرے ہیں سب کا یہی پیغام ہے کہ توحید الٰہی کا مانو، وحدت دین سے وحدت خیال پیدا ہوتی ہے اور لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ وحدت انسانی یعنی سماجی مساوات ہی میں دنیا کا بھلا ہے اور آئندہ زندگی میں نجات ہے۔ وحدت ومساوات انسانی ہی عدل ہے لٰہذا برائی کا بدلہ بھلائی سے دور کیا یہ مجنون کی باتیں ہیں۔ (صفحہ:203)

4 نرمی وحلم اختیار کرو

اے رسول جن حالات میں تم ہو اس کا تقاضا ہے کہ عفو ودرگزر سے کام لو، معروف (یعنی نیکی) کام حکم دیتے رہو اور جو لوگ اس پر بھی ایذاء رسانی کرتے ہیں تو ایسے جاہلوں کے منہ نہ لگو۔

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ [سورۃ الاعراف:199] (صفحہ:239)

5 رحمت والا اللہ

اللہ تعالیٰ ہے اس سے کوئی سفارش نہیں کرسکتا، اس کی قدرت میں کوئی شریک نہیں وہی ظالموں کو سزا اور مقتصدوں کو جزا دیتا ہے اور قیامت کے دن آخری فیصلہ کردے گا لیکن وہ اکرم ہے اس کے انصاف میں رحمت بھی داخل ہے اور اس نے اپنے لیے بھی رحمت کا قانون بنالیا ہے لہٰذا صرف عدل کرنے پر مجبور نہیں بلکہ رحم کرنے کا پابند ہے [کتب علی نفسه الرحمة] وہ اکرم آقا ہے، وہ سب کچھ کرسکتا ہے، لیکن ظلم نہیں کرسکتا﴿ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴾[سورۃ فصلت: 46] وہ رحیم ہے وہ ایک شخص کے جرم پر دوسرے کو سزا نہیں دے سکتا۔(صفحہ: 471)

6 رحمۃ للعالمین کا پیغام

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کو بتایا ہی نہیں بلکہ عملاً کرکے دکھایا کہ:

1 سب انسان برابر ہیں، اس لئے کہ سب آدم کی اولاد ہیں اور سب کا ایک ہی اللہ ہے۔

2 ہر قوم میں اللہ کا پیغام لانے والے آتے رہے ہیں ہم سب کی تعلیموں کو مانتے ہیں اور رسولوں میں کوئی تفریق نہیں کرتے ۔﴿ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ ﴾[سورۃ البقرۃ:285] یعنی سچائی عالمگیر ہے اور دین حق ہر جگہ ایک ہی ہے کہ خدا کی بندگی کرو اور شیطان سے گھن کھاؤ۔

3 گروہ بندی یا تحزب کی بنیاد پروہیت ہے یہ شیطانی گر گے ہیں اور ظلم وطغیان پھیلاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہودی بن جاؤ تو ہدایت پاؤ گے یا نصرانی بنو تو ہدایت ملے گی ۔﴿ كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا ﴾ لیکن قرآن کہتا ہے کہ اللہ کی بندگی اختیار کرو تو ہدایت ملے گی ﴿ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ﴾[سورۃ البقرۃ:135]۔

4 پروہتوں نے شفاعت کا ڈھونگ رچا رکھا ہے، اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ سے سفارش کرسکتے ہیں، اس لیے انہوں نے آخرت کو دنیا سے الگ کر رکھا ہے حالانکہ دنیوی اعمال ہی پر آخرت کا مدار ہے۔ اسلام دنیا وآخرت کے تسلسل کو قائم رکھتا ہے اور بتاتا ہے کہ محبت ورحمت ہی قانون حیات دنیا وآخرت ہے ۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

فحش مواد انسانی دماغ اور صحت اور معاشرے کیلئے ایک زہرِ ہلاہل

عمران فیصل[1]
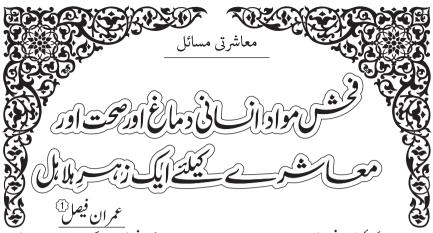
اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان شب وروز جو معصیت اور نافرمانی کے کام کرتے ہیں، ان کے خطرناک اثرات فرد، خاندان، معاشرہ بلکہ پوری انسانی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ زندگی کی بہتری کی بنیاد اطاعت وفرماں برداری، حکم الٰہی پر استقامت اور دین حنیف کی پابندی میں ہے۔ حکم الٰہی سے انحراف، دین سے بیزاری، شیطانی وسوسوں کی پیروی، ضلالت وگمراہی اور بدبختی میں بھٹکنا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنی زندگی میں اور اپنے رب سے ملاقات کے دن (کو مدنظر رکھتے ہوئے) گناہ کے اثرات کو محسوس کرے اور اس کے ازالے کی فکر کرے۔ یہ ایک کائناتی سچ ہے کہ مرد وزن میں جنس مخالف کی کشش کا قدرتی سبب انسانی فطرت میں جنسی تعلق کیلئے فطری رغبت ہے۔ اور شیطان لعین اسی فطری رغبت کے ذریعے انسان کو گناہ پر اکساتا ہے۔ اور اسے گناہ پر مجبور کرنے کیلئے مختلف وسائل اور حربے آزماتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف گناہوں بلکہ ان تک پہنچانے والے تمام وسائل کو حرام قرار دیا ہے اور اخلاق سوز فلمیں اور تصاویر کا شمار انہی ممنوعہ وسائل میں سے ہوتا ہے جنہیں شریعت مطہرہ نے زنا جیسے گناہ عظیم کے ضمرے میں شامل کیا ہے فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ ''اللہ سبحانہ وتعالی نے ابن آدم پر زنا کا حصہ لکھدیا ہے جسے وہ لامحالہ پا کر رہے گا، تو آنکھ کا زنا دیکھنا ہے، اور زبان کا زنا بات چیت کرنا ہے اور نفس اسکی خواہش کرتا اور چاہتا ہے، اور فرج اس سب کی تصدیق کرتی ہے یا جھٹلاتی ہے''۔ [2]

سو لذتِ گناہ تک جائز یا ناجائز رسائی کیلئے بیتاب لوگ جنسی ہوس سے مجبور ہو کر گناہِ بے لذت کی راہیں تلاش کرتے رہتے ہیں اور انہی حیا سوز فلموں کو دیکھ کر اپنی جنسی ہوس کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور نادان یہ نہیں جانتے کہ ان فلموں کا مشاہدہ آنکھوں اور کانوں کے زنا پر مشتمل ہے۔ فحش سائٹوں کا وزٹ کرنا، یا دیگر فحاشی کے مواد کا مشاہدہ کرنا، سننا وغیرہ یہ سب انسان کی آخرت اور اخلاق کو تواکارت کر ہی

---

[1] فاضل مدینہ یونیورسٹی [2] صحیح بخاری حدیث نمبر (6243) صحیح مسلم حدیث نمبر (2657)۔

دیتے ہیں لیکن اس سے قبل یہ موادانسان کی صحت پر کیا اثرات چھوڑتا ہے،کس طرح سے انسان کی خاندانی اورمعاشرتی زندگی کوتباہ کرتا ہے؟ اورکس طرح سے اس وبا میں مبتلا انسان کی نفسیات اس سے متاثر ہوتی ہیں؟ یہی وہ سوالات ہیں جنکے جوابات زیرنظر مضمون میں تحریر کرنے کی کوشش کی گئی ہےان شااللہ۔

ماہرین نے بذریعہ تحقیق یہ ثابت کیا ہے کہ فحش مواد دیکھنے والے انسان کی کیفیت بالکل اسی طرح ہوجاتی ہے جس طرح کہ منشیات کے عادی انسان کی ہوتی ہے۔2013 میں کی جانے والی یہ تحقیق اپنی نوعیت کی پہلی تحقیق تھی جس میں سائنسدانوں نے(MRI Scene) کے ذریعے کچھ ایسے نوجوانوں کے دماغ کا مشاہدہ کیا جوکہ اس قسم کے مناظر دیکھنے کے عادی تھے اوراس تحقیق کے نتائج نے ڈاکٹر والری وون کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا جب اس نے ان تمام نوجوانوں کے دماغ کے عین اس حصے کومتاثر پایا جس پرانسان کوخوشی مسرت وشادمانی دینے کی ذمہ داری ہوتی ہے، جیسا کہ ہم چارٹ نمبر پر دکھایا گیا ہے۔[1]
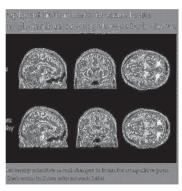
اورعریاں مناظر دیکھنے کے بعدانکے دماغ کے Ventral Striatum نامی حصے سے ایک خاص مادہ جسے Dopamine کہا جاتا ہےکا بہت زیادہ مقدار میں اخراج شروع ہوجاتا ہے اوراس مادے کااخراج Ventral Striatum اسی وقت کرتا ہے جب انسان بہت زیادہ خوشی محسوس کرے یامنشیات کا عادی شخص نشہ کرےاور بہت زیادہ مقدار میں مسلسل اس مادے کا اخراج انسانی دماغ پر انتہائی منفی اثرات مرتب کرتا ہے جن میں سرفہرست یادداشت کا انتہائی کمزورہوجانا،قوت فیصلہ کا سرے سے ختم ہوجانا جیسے مسائل شامل ہیں۔Dopamine کا ضرورت سے زیادہ اخراج کا نقصان نہ صرف عقل اٹھاتی ہے بلکہ یہ دماغی ساخت پرانتہائی مضر تغیرات کا باعث بنتا ہےاور یہ تمام نقصانات اورتغیرات بالکل اسی قسم کے ہوتے ہیں جس طرح کے منشیات کے عادی انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر ایرک نیسلے اپنی تحقیق کی روشنی میں بھی یہی وضاحت کرتے نظرآتے ہیں کہ حیا سوز مناظر کا

[1] Pornography Addiction Revealed By Brain Scan, Similar To Alcoholism Or Drug Addiction, A study from Cambridge University has found that the brains of compulsive pornography users react in a similar way to stimulus as alcoholics or drug addicts (The Independent | News | UK and Worldwide News | Newspaper - 22 September 2013)

مشاہدہ انسانی دماغ میں بالکل اسی قسم کے تغیرات پیدا کرتا ہے جس قسم کے تغیرات منشیات پیدا کرتی ہیں، آپ دیکھیں گے کہ ان مناظرے کو دیکھنے والا شخص بنا کسی سبب کے نہ صرف ان مناظر کے دیکھنے کا عادی ہوجاتا ہے بلکہ یہ چیز ایک نشہ کی طرح اس کے ذہن پر اثر انداز ہوتی ہے جس کی بنا پر وہ اورایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری چیز دیکھتا ہی چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اسکے دماغ میں Dopamine, Testerone اور Oxytocin کا مسلسل اخراج اسکے دماغ میں سیلاب کی سی کیفیت برپا کردیتا ہے جس سے اسکے دماغ کا سامنے والا حصہ Frontal Cortex کومتاثر ہوتا ہے اوروہ سکڑنا شروع ہوجاتا ہے۔

یہ مسئلہ صرف یہیں ختم نہیں ہوجاتا کہ ایک عادی شخص کے دماغ پر کچھ منفی اثرات مرتب ہوئے بلکہ یہ مسئلہ اس وقت انتہائی گھناؤنی صورت اختیار کرجاتا ہے جب متاثرہ شخص کے اعمال کی وجہ سے سارا معاشرہ متاثر ہونا شروع ہوجاتا ہے کیونکہ کچھ مغربی محققین ہی اپنی تحقیقات میں رقم طراز ہیں کہ انسان جوکچھ بھی فحش فلموں میں دیکھتا ہے عملی زندگی میں وہی کچھ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ایک کینیڈین محقق James chic نے کچھ عادی افراد کے سلوک ورویہ کا انتہائی باریک بینی سے مشاہدہ کیا اوروہ اس نتیجے پر پہنچا کہ انسان جس قسم کا بے حیائی اور بے باختگی پر مبنی فحش موادد یکھنا پسند کرتا ہے اسکے رویے میں اسی طرح کی تبدیلیاں آنا شروع ہوجاتی ہیں جوکہ معاشرے میں انسان کی اخلاقی تنزلی کا بہت بڑا ذریعہ ثابت ہوتی ہیں۔[1]

اسی قسم کی تحقیق کینیڈا ہی کے تین سائنسدانوں نے 1997 میں 74 مختلف جگہوں پر کی اس میں امریکہ، کینیڈا اور اور کچھ دیگر یورپی ممالک شامل ہیں۔اور یہ تمام تر 74 تحقیقات اخلاق سوز مواد کے مشاہدے کو پرکھنے کے لئے (12912) افراد پر تجربہ کیا گیا اور ان تینوں سائنسدانوں نے فحش مواد دیکھنے کے عادی افراد کو یورپ کی اخلاقی اقدار سے 28 فیصد گرا ہوا پایا، اسکے علاوہ جولوگ تشدد پر مبنی فحش

[1] James Check, "The Effects of Violent and Nonviolent Pornography," Department of Justice, Ottawa, Canada, submitted June 1997, Norman Doidge, MD | The Brain That Changes Itself official website.

فلمیں دیکھتے تھے انہیں انتہائی گرے ہوئے جرائم میں ملوث پایا گیا جیسے زنا بالجبر، لواط، جمادات اور حیوانات سے بدفعلی اور محارم کے ساتھ زنا جیسے قبیح جرائم شامل ہیں، اور 31 فیصد افراد شرمگاہوں کی جاسوسی، عوامی بیت الخلاء میں لوگوں کی خفیہ ویڈیو بنانا اور بھیڑ بھاڑ والی جگہوں پر لوگوں کی شرمگاہوں کو چھونے جیسے شرمناک افعال کے عادی نکلے۔ جبکہ ایسے 48 فیصد لوگ جو اخلاق سوز مواد دیکھنے کے عادی تھے انہیں اپنی بیویوں کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم رکھنے میں ناکام پایا، یا پھر اپنے ازدواجی ہم سفر سے مطمئن نہ ہوکر طلاق کی نوبت تک پہنچتے پایا گیا۔[1]

اس کے علاوہ زنا بالجبر کی شرح میں 31 فیصد تک اضافہ دیکھا گیا اور زنا بالجبر ہی کے بارے میں ایک امریکی پولیس افسر Darrel Bob نے مشی گن اسٹیٹ پولیس میں اپنی ڈیوٹی کے دوران 3800 زنا بالجبر مقدمات کا مشاہدہ کیا تو وہ بھی اس نتیجے پر پہنچا کہ 41 فیصد لوگوں نے اس شرمناک گناہ کے ارتکاب سے پہلے فحش مواد کا کسی نہ کسی طرح مشاہدہ ضرور کیا تھا[2]۔ یہ تو تھا 1998 کا حال اب جبکہ 2014 میں انٹرنیٹ کے ذریعے اس قسم کے مواد تک پہنچنا انتہائی آسان بنا دیا گیا ہے تو حالیہ اعداد وشمار بیان کرتے ہوئے امریکی جاسوسی ادارے (FBI) کے افسران یہ اعتراف کرتے نظر آتے ہیں کہ 80 فیصد جرائم کے ہوجانے کے بعد تفتیشی ادارے دوران تفتیش وقوعہ کی جگہ یا مجرم کی رہائش گاہ سے اس قسم کا مواد ضرور برآمد کرتے ہیں۔

سال 2010 میں کئی عالمی صحافتی اداوں نے وطن عزیز کو انٹرنیٹ پر فحش مواد ڈھونڈنے والوں ملکوں میں سرفہرست قرار دیا ہے۔[3] اور ضروری نہیں کہ مندرجہ بالا اعداد وشمار پاکستانی معاشرے میں اس برائی کے پھیلنے کے بعد ظاہر نہ ہوں، اس قسم کے حیا سوز مناظر کو دیکھنے کے طبی ونفسیاتی اور معاشرتی نقصان تو بہت زیادہ ہیں مگر ان سب کو ہم اس جگہ ذکر نہیں کرسکتے نیز ان سب مسائل سے حفاظت کے گر ہمیں سرور کائنات ﷺ نے 1400 سال پہلے سے ہی بتا دیے تھے تاکہ امت محمدیہ ان برائیوں سے محفوظ رہ سکے۔

---

[1] Elizabeth Oddone Paolucci, Mark L. Genuis, and Claudio Violato, “The Effects of Pornography on Attitudes and Behaviours in Sexual and Intimate Relationships,” National Foundation for Family Research and Education (NFFRE), 2000.

[2] Dr. William Marshall, "Use of Sexually Explicit Stimuli by Rapists, Child Molesters and Non-Offenders," Journal of Sex Research 267, 1998

[3] www.foxnews.com/world/2010/07/12/data-shows-pakistan-googling-pornographic-material/

اخلاقی اقدار کے تحفظ اور معاشرہ میں پاکدامنی کو فروغ دینے کیلئے اسلامی تعلیمات

قرآن کریم نے ان امراض اور انکے اسباب کو سرے سے ہی ختم کرنے کیلئے ہمیں بنیادی علاج بتایا تاکہ اسے اپنا کر ہم اپنے معاشرہ کو پاک دامن رکھ سکیں۔

آنکھ کی حفاظت کا حکم دیا گیا:

اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے:﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذٰلِكَ أَزْكٰى لَهُمْ إِنَّ اللهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ﴾[النور: 30]

ترجمہ: (اے نبی)! مومن مردوں سے کہئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر ہے۔

اور قرآن کریم نے ہمیں زنا سے دور رہنے کا حکم دیا اور بتایا کہ جو انسان زنا کا مرتکب ہوتا ہے وہ کتنا برا راستہ منتخب کرتا ہے اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے:﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيلًا﴾

خبردار زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا کیونکہ وہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی بری راہ ہے۔

اسلام میں زنا چونکہ بہت بڑا جرم ہے، اتنا بڑا کہ کوئی شادی شدہ مرد یا عورت اس کا ارتکاب کرلے تو اسے اسلامی معاشرے میں زندہ رہنے کا ہی حق نہیں ہے۔ پھر اسے تلوار کے ایک وار سے مار دینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ حکم ہے کہ پتھر مار مار کر اس کی زندگی کا خاتمہ کیا جائے تاکہ معاشرے میں نشان عبرت بن جائے۔اس لئے یہاں فرمایا کہ زنا کے قریب مت جاؤ، یعنی اس کے دواعی واسباب سے بھی بچ کر رہو، مثلاً غیر محرم عورت کو دیکھنا، ان سے اختلاط، کلام کی راہیں پیدا کرنا، اسی طرح عورتوں کا بے پردہ اور بن سنور کر گھروں سے باہر نکلنا، وغیرہ ان تمام امور سے پرہیز ضروری ہے تاکہ اس بے حیائی سے بچا جا سکے۔

اسلام نے شادی کی ترغیب دی بلکہ بعض مقامات پر حکم بھی دیا

اور اللہ تعالی نے ہمیں شادی کا حکم دیا اور بتایا کہ وہی انسان کے اصل اطمینان وسکون کا باعث ہے فرمایا:

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم آرام پاؤ اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کردی یقیناً غور وفکر کرنے والوں کے لئے اس میں بہت نشانیاں ہیں۔[الروم: 21]

ایک روایت میں نبی ﷺ نے نوجوانوں کو مخاطب کرکے کہا کہ جو تم میں سے شادی کی استطاعت رکھتا ہے وہ شادی کرے۔اور جو نہیں رکھتا وہ روزے رکھے جو اس کے لئے حفاظت کا باعث ہیں۔

ہماری سوسائٹی کا المیہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے غلط رویوں، نظریات اور بعض حالات کی بنا پر شادی کی بنیادی ضرورت کو، نوجوانوں کے لیے ناقابلِ رسائی بنادیا ہے۔جبکہ دنیا بھر میں یا تو مناسب عمر میں نوجوانوں کی شادی ہوجاتی ہے یا پھر شادی کیے بغیر نوجوان لڑکے لڑکیوں کو ساتھ رہنے کی آزادی حاصل ہوتی ہے۔انٹرنیٹ کے غلط استعمال کے حوالے سے سابقہ رپورٹ کے ذریعے سے پوری سوسائٹی کو یہ پیغام مل گیا ہے کہ یا تو لوگوں کے لیے نکاح کے جائز راستے کو کھول دیا جائے یا پھر سوسائٹی کی تباہی کے لیے تیار ہوجانا چاہیے۔

خواتین کو پردے کا حکم دیا:

اور پردہ مکمل جسم کا ہونا چاہئے۔صرف پردہ ہی نہیں بلکہ خواتین کو تو یہاں تک کہا گیا کہ وہ کسی غیر محرم سے بات کرتے ہوئے اپنی آواز میں بھی نرمی پیدا نہ کریں کہیں بیمار دل ان کی آواز میں کوئی اور طمع نہ لگا بیٹھے۔
یہ اسلام کی بنیادی تعلیمات کی محض ہلکی سی جھلک ہے کہ جن کے ذریعہ اسلام نے فحاشی اور بے حیائی کا سد باب کیا ہے۔

فحاشی چاہے کسی بھی نوعیت کی ہو اسلام نے اس سے سختی سے روکا ہے۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:
ترجمہ:''اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے کا اور قرابت والوں کے دینے کا اور منع کرتا ہے بے حیائی سے اور نا معقول کام سے اور سرکشی سے۔"[النحل:90]
قرآنی آیات میں واضح کردیا گیا کہ جو فحاشی کا راستہ اختیار کرے گا تو یہ شیطانی راستہ ہے۔
ارشاد باری ہے:﴿اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ﴾(البقرہ:۲۶۸)
ترجمہ:......"شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے"۔

عصر حاضر میں فحاشی کا سد باب کیسے ممکن ہے؟

ہر مسئلے کا حل اسلام میں پنہا ہے۔اسلام میں سلامتی ہے۔جان کی بھی، مال، اور عزت کی بھی۔ہر ذی شعور مسلمان پر لازم ہے کہ وہ عصر حاضر کی بے حیائی کو روکنے کیلئے تگ ودو کرے۔اور اس کے لئے انفرادی واجتماعی، حکومتی اور عوامی سطح پر کوشش کرنا ہوگی ورنہ یہ سیل رواں بہت بڑی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا، اللہ تعالیٰ اس وقت سے ہماری حفاظت فرمائے۔سر دست چند ایسے انقلابی اقدامات کا

ذکر کیا جاتا ہے جو آنے والے اس سڑے ہوئے سیلاب کے سامنے بند باندھ سکیں:

1 ہر آدمی اپنے اور اپنے گھر کی حد تک ضرور کچھ نہ کچھ اثر رکھتا ہے اور اپنے زیر اثر حلقے میں برائی کے خلاف آواز اٹھانے کا ہر شخص مکلف بھی ہے، گھر کی بیٹی، بہن، بیٹے، بھائی اور افرادِ خانہ کو نئی تہذیب کی اس سڑاند سے محفوظ رکھنا، گھر کے ہر باشعور بڑے کی ذمہ داری بنتی ہے، اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: ”اے ایمان والو! اپنے اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے“۔ افراد معاشرے سے اور معاشرہ افراد سے بنتا ہے اور ایک صالح معاشرہ، فرد کی ذمہ داری کے بغیر وجود میں نہیں آسکتا۔ جب تک فرد میں برائی روکنے کا احساس پیدا نہ ہوگا، جب تک اس کے دل میں معمارانِ ملت کے مستقبل کے لئے اس زہر قاتل تمدن پر کڑھن پیدا نہیں ہوگی اس وقت تک انسداد فحاشی و بے دینی کا صحیح سدباب نہیں ہوسکتا۔ برائی کے عام ہونے میں ایک بڑی رکاوٹ یہ ہوتی ہے کہ ہاتھوں ہاتھ قبول کرنے کے بجائے، معاشرہ اس کو یکسر رد کردے اور وہ اسے اسی وقت رد کرے گا جب معاشرے کے افراد کو اپنے دین، اپنی تہذیب اور اپنی روایات اور تعلیمات کی فکر ہوگی۔

2 شہروں کے اندر خیر وبھلائی کی قوتیں ہی لوگوں میں یہ فکر واحساس پیدا کرسکتی ہیں، مساجد کے ائمہ، اصلاحی مجالس کے واعظین اور دعوت وتبلیغ کے مبلغین اگر پوری دل سوزی کے ساتھ فواحش ومنکرات کے دنیاوی اور اخروی نقصانات لوگوں کے سامنے بیان کریں اور صحافی واہل قلم مجلّات واخبارات کے صفحات پر ”ہوشیار باش“ کی صداؤں کو عام کرنے لگیں تو اس سے عام لوگوں میں انسدادِ فواحش کا جذبہ بیدار ہوگا۔

3 بے دینی اور فحاشی کی روک تھام کے لئے ان اداروں پر دباؤ ڈالنا بھی بہت ضروری ہے جو اس کے پھیلانے اور عام کرنے میں سرگرم ہیں، قطع نظر اس کے کہ پس منظر میں کون سی قوتیں کارفرما ہیں، جن اداروں سے براہ راست شر پھوٹ رہا ہے، ان کی سرکشی کو لگام دیئے بغیر یہ وبا رکے گی نہیں۔ ان اداروں پر دباؤ ڈالنے کی ایک صورت تو یہ ہوسکتی ہے کہ شہر کے معززین، ان اداروں کے ذمہ داروں سے مل کر انہیں اپنے جذبات سے آگاہ کریں اور ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ قانون ہاتھ میں لئے بغیر جائز طریقے سے ان اداروں کے سامنے اپنا احتجاج ریکارڈ کرایا جائے۔ یہ کام وہ اسلامی جماعتیں بہت آسانی کے ساتھ کرسکتی ہیں جن کے پاس کارکنوں کا ایک منظم لشکر موجود رہتا ہے۔

4 اسمبلیوں میں دینی ذہن رکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے، بے حیائی اور بے دینی کی موجودہ لہر کے خلاف اس قومی پلیٹ فارم سے بھی موثر آواز بلند کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک تو پالیسی ساز ذہن

وہاں کے صدائے احتجاج کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، دوسرے وہاں کی آواز ملک بھر میں سنائی بھی دیتی ہے۔ ہمارے نزدیک اس کا حل سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ درددل رکھنے والے اسلامیانِ پاکستان، اس فضائے معاصی کے خلاف سراپا صدائے احتجاج بن جائیں، ہر شخص اپنا ایک حلقہ اثر رکھتا ہے، اپنے گھر، اپنے محلہ، اپنے قبیلہ، اپنی مسجد، اپنی جماعت میں اس آگ کو بجھانے کے لئے آواز بلند کی جائے، خطباءِ منبر ومحراب، واعظین، مقررین اسٹیج اور اہل علم اپنے قلم سے اس وبا سے بچانے کے لئے صدائیں لگائیں، ان نالوں کا زیادہ نہ سہی، اثر ضرور پڑے گا۔ اس لئے کہ ہم سب کو یہ حقیقت یاد رکھنی چاہیۓ کہ جس مسلم معاشرے میں برائی کے خلاف آواز اٹھانے والے نہ رہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی تباہی میں پھر زیادہ دیر نہیں لگتی۔

فحاشی کے نتائج اور حرمت زنا کی حکمتیں

فحاشی کا منطقی نتیجہ بے راہ روی اور نعوذ باللہ زنا کی صورت میں نکلتا ہے۔ جس کا دنیاوی واخروی انجام نہایت سنگین ہے۔ اسلام میں شادی شدہ زانی کی سزا انتہائی سنگین ہے۔ اور غیر شادی شدہ کی سزا بھی کچھ کم نہیں اور جو آخرت کی سزا ہے وہ اس سے زیادہ سخت ہوگی۔ لہذا اسلامی تعلیمات پر اگر غور کیا جائے تو بخوبی واضح ہوتا ہے کہ اسلام جب کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو وہ اس کی طرف لے جانے والے راستے بھی بند کرتا ہے۔ اس لئے اسلام نے جب زنا حرام کیا تو اس کی جانب لے جانے والی تمام راہیں مسدود کردیں۔ ذیل میں اسلام سوال وجواب ویب سائٹ سے زنا کی سنگینی (جو کہ فحاشی کا منطقی نتیجہ ہے) کے حوالے سے قارئین کیلیۓ اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔

اول:

مومن پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالی کا حکم تسلیم کرتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہو چاہے اسے اس کی حکمت معلوم ہو یا نہ، اور اسے یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ اللہ تعالی نے یہ حکم عظیم حکمت کی بنا پر ہی مشروع کیا ہے، جو مصلحت اور لوگوں کی خیر وبھلائی کو ثابت، اور ان سے شر ومفاسد کو دور کرتی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے: ’’ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اس لیے بلایا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان میں فیصلہ کردے تو وہ کہتے ہیں ہم نے سنا اور مان لیا، یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ (النور:51)

اور اس کے ساتھ مومن کے لیے حکمت تلاش کرنے میں کوئی مانع نہیں تا کہ اس کا اس شریعت کے کامل ہونے پر اور بھی زیادہ یقین ہو جائے، اور یہ کہ یہ حقیقتا اللہ ہی کی جانب سے ہیں، اور تا کہ وہ غیر مسلموں سے بحث کر سکے، اور انہیں شریعت اسلامیہ کے حق ہونے پر مطمئن کر سکے۔

دوم

اللہ سبحانہ وتعالی نے زنا قطعی حرام کیا ہے، اور زنا کا مرتکب ہونے والے شخص پر دنیا میں سزا حد زنا واجب کی ہے، اس کے متعلق ہمیں نصوص اور دلائل بیان کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ سب کو معلوم ہیں، لیکن ہم یہاں زنا کی حرمت کی چند ایک حکمتیں ضرور ذکر کرینگے:

1 - **یہ حرمت اس فطرت کے موافق جس پر اللہ تعالی نے لوگوں کو پیدا کیا ہے**، کہ عزت و ناموس پر غیرت کا مظاہرہ کرنا۔ اور پھر بعض جانور بھی اپنی عزت پر غیرت کھاتے ہیں۔

صحیح بخاری میں عمرو بن میمون الاودی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں:

''میں نے دور جاہلیت میں ایک بندر کو ایک بندریا سے زنا کرتے ہوئے دیکھا، تو سب بندر اکٹھے اس بندریا کے خلاف اکٹھے ہوئے اور اسے رجم کر دیا حتی کہ وہ بندریا مر گئی'' [1]

تو جب بندر اپنی عزت پر غیر کھاتے ہیں اور زنا کو قبیح اور برا جانتے ہیں تو پھر ایک انسان اپنی عزت پر غیرت کیوں نہیں کھائیگا؟

کون سا ایسا مرد ہے جو یہ قبول کرتا ہے کہ اس کی بیوی یا اس کی بیٹی یا اس ماں یا اس کی بہن لوگوں کے لیے مفت سامان عیش بنی رہی، جو بھی ایسا کریگا تو وہ اپنے لیے اس پر راضی ہوا کہ اس نے اپنے آپ کو بعض جانوروں کے مرتبہ سے بھی نیچے کر لیا، جیسا کہ اب کچھ یورپی ممالک میں پایا جاتا ہے جسے وہ ''بیویاں تبدیل کرنے کے کلب'' کا نام دیتے ہیں!!

2 - **نسب مخلوط ہونے سے روکنا**: جو کوئی بھی زنا مباح کریگا اس نے اپنی نسل اور اپنے خاندان اور فیملی میں اسے داخل کرنا مباح کیا جو اس کے خاندان اور فیملی اور نسل میں شامل نہ تھا، اس طرح وہ اس کے خاندان کے ساتھ وراثت میں شامل ہوگا، اور ان کے ساتھ محرم والے معاملات کریگا حالانکہ وہ ان کا محرم نہ تھا۔

3 - **خاندان اور عائلی زندگی کی حفاظت**، کیونکہ زنا گھروں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے، کیونکہ اگر خاوند کسی

---

[1] صحیح بخاری حدیث نمبر (3849)

عورت کو معشوق بنالے، یا پھر بیوی اپنا عاشق بنالے تو بلا شک وشبہ خاندان تباہ ہوکر بکھر جائیگا۔

4-**مختلف بیماریوں سے بچاؤ** جو اس فحاشی کے پھیلاؤ کی ربانی سزاؤں میں شامل ہیں، اس فحش کام کی بنا پر مختلف معاشرے جن بیماریوں کا شکار ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں مثلاً سیلان، ایڈز کی خطرناک بیماریاں جس نے کئی ملین انسانوں کو فنا کر کے رکھ دیا ہے، اور کئی ملین انسان اس کا شکار ہو چکے ہیں۔

1427 ہجری الموافق 2006 میلادی میں اس بیماری کے شکار افراد کی تعداد 45 ملین پہنچ چکی تھی، اور اس بیماری کے باعث بیس 20 ملین افراد مر چکے ہیں، اور تقریباً 301 ملین انسان اس بیماری کے اسباب کا شکار ہیں۔

اور افریقا میں موت کا بنیادی سبب ایڈز شمار کیا جاتا ہے، اور پوری دنیا میں وفات کا چوتھا سبب شمار ہوتا ہے، تو کونسا ایسا عقلمند شخص ہے جو معاشرے میں اس طرح کا مرض پھیلنے پر راضی ہوگا؟

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس قوم میں بھی زنا عام ہوا حتی کہ وہ اعلانیہ طور پر فحش کام کرنے لگیں ہوں تو ان میں طاعون اور ایسی بیماریاں اور تکالیف پھیل جاتی ہیں جو ان سے پہلے لوگوں میں نہیں پھیلی تھیں''۔[1]

علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح ابن ماجہ میں اسے حسن قرار دیا ہے۔

اور جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا وہ آج واقع ہو چکا ہے۔

5-**عورت کی عزت وتکریم کی حفاظت:** کیونکہ زنا کے جواز کا معنی یہ ہے کہ عورت کی عزت وکرامت سلب کی جائے، اور اسے ایک ایسا ذلیل ورسوا سامان بنا دیا جائے جس کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو، اسلام لوگوں کو عزت دینے کے لیے آیا ہے، اور خاص کر عورت کو اس کی کھوئی ہوئی عزت واپس دلانے کے لیے، کیونکہ جاہلیت میں عورت ایک ایسا سامان اور مال سمجھا جاتا تھا جو وراثت میں تقسیم ہوتی اور توہین وتحقیر کا سبب سمجھی جاتی تھی۔

6-**جرائم پھیلنے سے روکنا:** زنا ایسا سبب ہے جو بہت سارے جرائم پھیلنے کا باعث بنتا ہے، اور قتل و غارت کے اکثر جرائم اسی زنا کی بنا پر ہوتے ہیں، خاوند اپنی بیوی اور اس کے عاشق کو قتل کر دیتا ہے، اور بعض اوقات زانی شخص اپنی معشوق کے خاوند یا جو شخص اس کے آڑے آئے اور اس عورت کو چاہتا ہوا سے قتل کر دیتا ہے، اور بعض اوقات عورت بھی ایسے شخص کو قتل کر دیتی ہے جس نے اس کے

---

[1] سنن ابن ماجہ حدیث نمبر (4019)

ساتھ جبرا زنا کیا تھا۔

ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''اور جب زنا کی خرابی سب سے عظیم خرابی تھی اور یہ دنیا میں نسب کی حفاظت کے نظام کی مصلحت اور عزت وعصمت اور ناموس کی حمایت اور حرمتوں کی دیکھ بھال کے منافی تھی، اور اس کی بنا پر لوگوں کے مابین سب سے زیادہ دشمنی اور بغض وعداوت پھیلتی ہے، کہ زنا کی وجہ سے ہر ایک دوسرے کی بیوی، بیٹی، اس کی بہن اور اس کی ماں کی عزت و ناموس خراب کرتا، تو اس میں ساری دنیا کو خراب کرنا تھا، اس لیے زنا کی حرمت اس فساد سے بچاؤ ہے، اور پھر اس خرابی کے ساتھ دوسری خرابی قتل و غارت کی خرابی ہے، اسی لیے اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنی کتاب اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت میں اسے ملا کر ذکر کیا ہے''۔

امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: میرے علم میں قتل کے بعد زنا سے بڑی کوئی چیز نہیں۔

اور اللہ سبحانہ وتعالی نے اس حرمت کی تاکید اپنے اس فرمان میں کی ہے:

> ''اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہیں بناتے اور کسی ایسے شخص کو جسے قتل کرنا اللہ تعالی نے حرام کیا ہے وہ بجز حق کے اسے قتل نہیں کرتے، اور نہ وہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں، اور جو کوئی یہ کام کرے وہ اپنے اوپر سخت وبال لائیگا۔''

اسے قیامت کے روز دوہرا عذاب دیا جائیگا، اور وہ ذلت وخواری کے ساتھ ہمیشہ اسی میں رہیگا۔ سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور نیک کام کریں، ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالی نیکیوں میں بدل دیتا ہے، اور اللہ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔اور جو توبہ کرنے کے بعد نیک وصالح اعمال کرے تو وہ اللہ کی طرف سچا رجوع کرتا ہے۔(الفرقان 67-71)

تو اللہ سبحانہ وتعالی نے زنا کو شرک اور ناحق قتل کرنے کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے، اور اس کی سزا آگ میں ڈبل المناک عذاب کے ساتھ ہمیشہ رہنا بیان کی ہے، جب تک بندہ اس سزا کے موجب سے توبہ نہیں کرتا، اور ایمان کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ نہیں کرتا۔اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے: اور تم زنا کے قریب مت جاؤ، کیونکہ یہ فحاشی اور بہت ہی براراہ ہے۔(بنی اسرائیل:32)

تو یہ بتایا ہے کہ یہ فی نفسہ فحاشی ہے، اور یہ وہ قبیح کام ہے جس کی قباحت اتنی بلند ہے کہ اس کا فحش ہونا عقلوں میں بیٹھ چکا ہے، حتی کہ اکثر حیوانات بھی اسے فحش سمجھتے ہیں'' انتہی، (الجواب الکافی (105)۔

اللہ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔واللہ اعلم۔ (www.islamqa.info)